طلوعِ اسلام

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

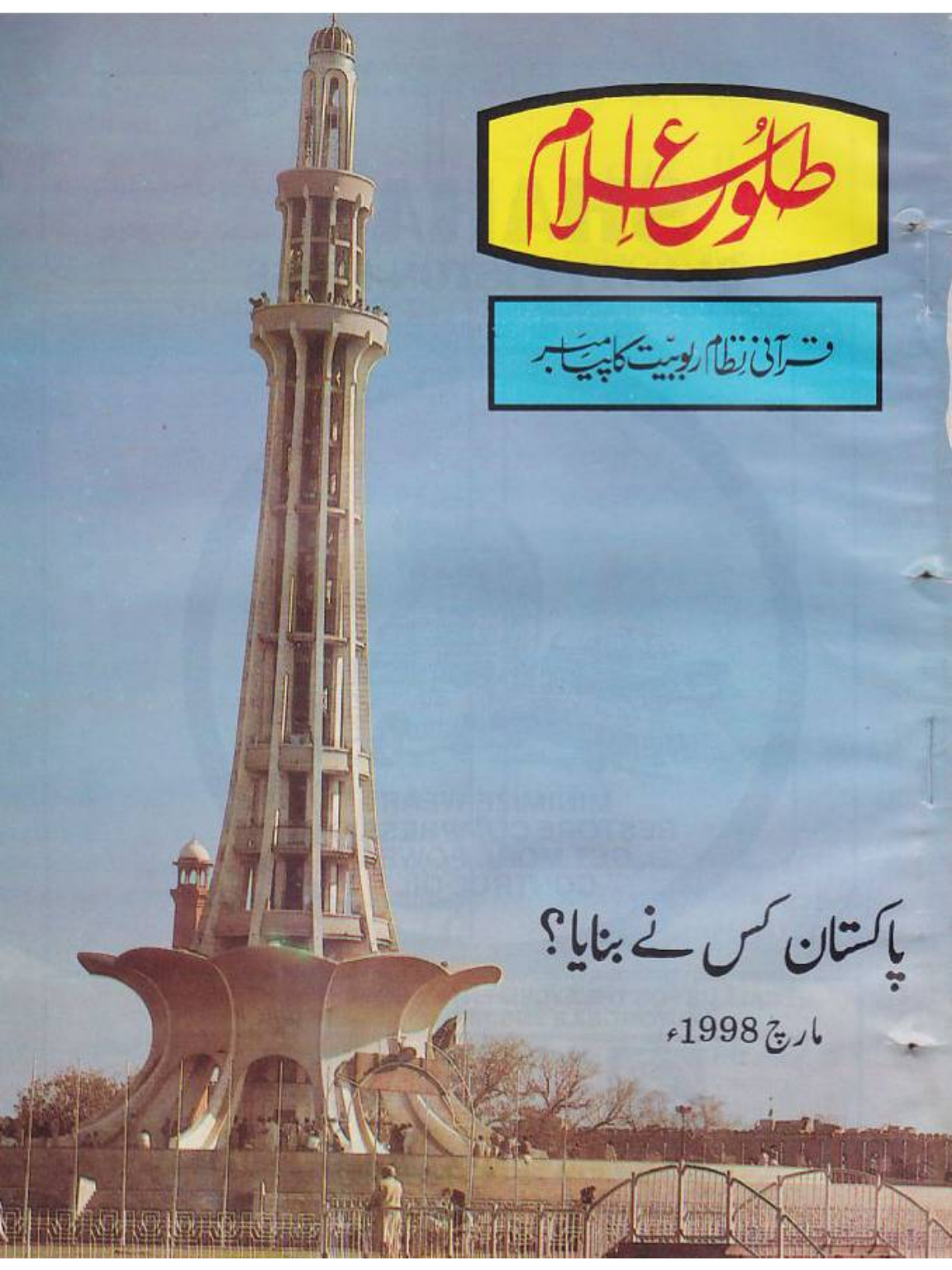

پاکستان کس نے بنایا؟

مارچ 1998ء

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.

OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: 545071, 75571, 539071-73
FACTORY 550171

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوع اسلام

لاہور

جلد:51 شمارہ:3 مارچ 1998ء

مضامین

حالات حاضرہ، فکر و نظر، سائنس و ٹیکنالوجی
خواتین کے لئے، خصوصی رپورٹ، متفرقات

اس شمارے میں

لمعات	ادارہ	2
پاکستان کس نے بنایا؟	علامہ غلام احمد پرویزؒ	10
پرویز کے افکار پر ایک نظر	بشیر احمد عابد	24
تفرقہ بازی	محمد رمضان	30
انسانی کلوننگ	ڈاکٹر ابراہیم سید	33
احساس تنہائی	ماخوذ	36
مادہ کی قسمیں	ابن انشاء	39
رپورٹ- دعوت افطار	خصوصی رپورٹ	40
بردباری	عبدالستار غزالی	45
مجلس اقبال	ادارہ	47
حدیث نبوی	ادارہ	48
استفسارات	بزم کویت	49
ملی اور متحدہ قومیت	محمد سلیم ساقی	51
Fasting	Ubaidur Rehman Arain	57
Universal Declaration	Aziz Mamuji	59
Falsification of History	Shamim Anwar	64

انتظامیہ:

چیئرمین	:	ایاز حسین انصاری
ناظم	:	محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول	:	محمد لطیف چوہدری
مہمان مدیر	:	بشیر احمد عابد
مجلس ادارت	:	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
ناشر	:	عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع	:	ایم ایس عادل
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز- ریٹی گن روڈ لاہور
مقام اشاعت	:	B-25 گلبرگ 2 لاہور 54660

March

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)
25-بی گلبرگ- 2 لاہور 54660
Telephone 876219, 5764484, 575666
Res: 6541521 M.Latif Chaudhery
Fax 92 42 5764484
Email: tluislam@brain.net.pk
tolueislam@pol.com.pk
Internet http:/www.toluislam.com

زر سالانہ

ایشیا، افریقہ، یورپ	600 روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

لمعات

انکل! صوبے کا نام بدلنے کی بجائے آپ اپنی سوچ ہی کیوں نہیں بدل دیتے

پختونخواہ

اس وقت جب کہ ملک تاریخ کے بدترین معاشی بحران اور مذہبی منافرت سے دوچار ہے عوامی نیشنل پارٹی کی طرف سے صوبہ سرحد کا نام پختونخواہ رکھنے کا مطالبہ پوری شدومد کے ساتھ ابھارا گیا ہے۔ ہرچند کہ کسی سڑک، شہر یا صوبے کا نام تبدیل کرنا چنداں اہمیت نہیں رکھتا اور بظاہر اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن عوامی نیشنل پارٹی کی طرف سے ایک ایسے نام پر اصرار جو نہ تو صوبے کے عوام پر ٹھیک سے منطبق ہوتا ہے اور نہ ہی صوبہ سرحد کے عوام اس نام پر تاریخ کے کسی دور میں متفق ہوئے ہیں، کچھ عجیب سا نظر آتا ہے۔ ہم نہ تو عوامی نیشنل پارٹی کا زعما ہے بحث میں الجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ان کے بیانات پر کسی قسم کی تنقید کرنے کے حق میں ہیں لیکن پچھلے دنوں باچا خان کی برسی کے موقع پر جناب عبدالولی خان صاحب کا یہ فرمانا کہ پختونخواہ ہماری منزل نہیں ہمارا اصل مقصد باچا خان کے مقاصد کی تکمیل ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ان مقاصد کی تکمیل سے نہیں روک سکتی، ہمارے لئے باعث تشویش ہے لہٰذا یہ جاننے کے لئے کہ باچا خان مرحوم کے مقاصد کیا تھے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی زندگی میں انہوں نے کس طرح جدوجہد کی ہمیں تاریخ کے اوراق میں جھانکنا ہوگا۔ بات اگرچہ قدرے لمبی ہو جائے گی لیکن گفتگو کی ابتداء تحریک پاکستان سے کر لی جائے تو بات سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔

یوں تو مطالبہ پاکستان کی مخالفت مسلمانوں کی (کم و بیش) تمام پارٹیوں اور جماعتوں کی طرف سے ہوئی تھی، لیکن اس کی منظم اور مسلسل مخالفت خان عبدالغفار خان صاحب نے کی تھی۔ خان صاحب کی پارٹی کا نام خدائی خدمتگار یا سرخ پوش تھا۔ ان کا شمار کانگرس کے ممتاز لیڈروں میں ہوتا تھا۔ (مسٹر گاندھی کے یہ اس قدر پرستار تھے کہ "سرحدی گاندھی" کہلاتے تھے۔) جب تقسیم ہند کا اصولی فیصلہ ہو گیا تو باقی پارٹیوں اور جماعتوں نے اسے (بامر مجبوری ہی سہی) تسلیم کر لیا لیکن خاں صاحب کی مخالفت اور بھی شدت اختیار کر گئی۔

جب تقسیم ہند کا مسئلہ (بغرض منظوری) کانگرس ورکنگ کمیٹی میں پیش ہوا تو اس وقت خان صاحب کی حالت کیا تھی۔ اس کے متعلق کسی مخالف کی زبان سے نہیں' (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کے الفاظ میں سنئے۔ انہوں نے اپنی کتاب (انڈیا ونز فریڈم) میں لکھا ہے۔

جب ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں گاندھی جی نے بھی مطالبہ پاکستان کی تائید کر دی' تو اس پر مجھے چنداں حیرت نہ ہوئی کیونکہ اس کی بھنک میرے کانوں میں پہلے سے پڑ چکی تھی لیکن خان عبدالغفار خان کے رد عمل کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ان پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا اور چند منٹوں تک ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک لفظ تک بھی نہیں بول سکتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مہر سکوت کو توڑا اور کانگرس ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی کہ وہ تقسیم ہند کی تجویز منظور نہ کرے۔ انہوں نے کہا' میں نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا ہے۔ اگر کانگرس نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا تو سرحد کے لوگوں پر اس کا اثر بڑا خطرناک ہو گا۔ میرے دشمن مجھ پر ہنسیں گے اور دوست تک کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو سرحد کی ضرورت رہی' انہوں نے خدائی خدمتگاروں کی حمایت کی لیکن جب اس نے مسلم لیگ سے مفاہمت کا فیصلہ کیا تو اس نے تقسیم ہند کے مطالبہ کی تائید کر دی اور اس باب میں سرحد اور سرحد کے لیڈروں سے مشورہ تک کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ خان عبدالغفار خان نے بارہا کہا کہ اگر کانگرس نے اب خدائی خدمتگاروں کا ساتھ چھوڑ کر انہیں بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تو سرحد کے لوگ اسے کانگرس کی طرف سے غداری قرار دیں گے۔" (193)

آپ نے غور فرمایا کہ خان صاحب' اہل پاکستان کو کیا سمجھ رہے تھے؟ --- بھیڑیے! اس سے آپ اس نفرت اور عداوت کی شدت کا اندازہ لگا سکتے ہیں' جو ان کے دل میں پاکستان کے خلاف موجزن تھی۔

مولانا آزاد (مرحوم) نے لکھا ہے کہ خان عبدالغفار خان کی اس اپیل کا' گاندھی جی پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس مسئلہ پر لارڈ مونٹ بیٹن سے بات کریں گے۔ اس بات چیت کا کیا نتیجہ نکلا' اس کے متعلق (آزاد مرحوم) نے لکھا ہے۔

مونٹ بیٹن پلان اس اصول پر استوار تھا کہ مسلمان اکثریت کے صوبوں کو علیحدہ کر کے ان کی ایک آزاد الگ مملکت بنا دی جائے۔ سرحد میں مسلمان بہت بڑی اکثریت میں تھے۔ اس اعتبار سے اسے ہر حالت میں پاکستان میں شامل ہونا تھا۔ جغرافیائی نقطہ نگاہ سے بھی سرحد مجوزہ مملکت پاکستان کی سرحدوں کے اندر واقعہ تھا۔ اس کا ہندوستان کے ساتھ کوئی رابطہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ (صفحہ 94-193)

سرحد میں ریفرنڈم

لیکن اس کے باوجود لارڈ مونٹ بیٹن نے فیصلہ کیا کہ سرحد میں ریفرنڈم کرایا جائے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتا ہیں یا پاکستان کے ساتھ! خان عبدالغفار خان' اور ان کے بھائی' ڈاکٹر خان صاحب نے (جو اس زمانہ میں سرحد میں کانگرس حکومت کے وزیر اعلیٰ تھے) ریفرنڈم کی تجویز سے اتفاق کیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اہل سرحد سے اتنا ہی نہ پوچھا جائے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ' بلکہ پوچھا جائے کہ وہ

1۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔ یا
2۔ پاکستان کے ساتھ۔ یا
3۔ اپنی الگ آزاد مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا نام پختونستان ہو گا۔

لارڈ مونٹ بیٹن نے اس آخری (تیسری) شق کو نامنظور کر دیا اور خان برادرز نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر دیا۔ (مولانا) آزاد

نے اس پر کہا تھا کہ:

یہ باور کرنے کے لئے معقول وجوہات موجود ہیں کہ اگر ریفرنڈم میں آزاد پختونستان کی شق شامل ہوتی تو صوبہ سرحد کی اکثریت اس کے حق میں ووٹ دیتی۔ انہیں خطرہ تھا کہ پنجاب انہیں ہضم کر لے گا' اور تنہا یہی احساس انہیں پاکستان کے خلاف ووٹ دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ جوق در جوق اس کے خلاف ووٹ دیتے۔ (صفحہ 195)

خان صاحب کے خفیہ خطوط

خان عبدالغفار خان نے اپنے مطالبہ آزاد پختونستان کو یہیں تک محدود نہیں رکھا تھا۔ وہ اس باب میں مختلف لیڈروں کو خطوط بھی لکھتے رہے تھے یہ خطوط اس زمانے میں تو صیغہ راز میں رہے لیکن کانگرس نے انہیں 1972ء میں شائع کر دیا۔ روزنامہ امروز کی 19 ستمبر 1972ء کی اشاعت میں مرغوب صدیقی (مرحوم) کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے ان خطوط کو نقل کیا تھا۔ خان صاحب نے 11 جون 1947ء کو (مسٹر) گاندھی کے نام اپنے خط میں لکھا تھا۔

آج شام صوبہ سرحد کی کانگرس پارلیمانی کمیٹی اور خدائی خدمتگاروں کا ایک اجلاس ہوا جو چار گھنٹے جاری رہا۔ صوبہ بھر سے تمام نمائندوں نے اس میں حصہ لیا۔ اس جلاس کی عام رائے یہ تھی کہ ہم برطانوی منصوبہ کے پیراگراف چار کے تحت استصواب رائے میں حصہ نہ لیں۔ یہ تمام لوگ چاہتے تھے کہ استصواب رائے اس امر پر ہو کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہو یا وہاں ایک آزاد پٹھان مملکت قائم ہو۔

انہوں نے 21 جون کو قائد اعظم" کو بھی ایک خط لکھا تھا جس میں آزاد پختونستان کے مطالبہ کو دھراتے ہوئے یہ (Threat) بھی دیا تھا کہ:

تمام پٹھانوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس ہر دلعزیز مقصد کے حصول کے لئے متحد ہو جائیں اور کسی قسم کے غیر پختونی غلبہ کے سامنے ہرگز سر نہ جھکائیں۔

خان صاحب ہی نہیں' ان کے ساتھ ہندو لیڈر بھی اس قسم کے خطوط لکھ رہے تھے۔ چنانچہ 18 جون 1947ء کو مسٹر گاندھی نے لارڈ مونٹ بیٹن کو لکھا کہ انہیں خان عبدالغفار خان نے لکھا تھا کہ چونکہ وہ ایک آزاد پٹھان مملکت کے وجود میں لانے کے سلسلہ میں ناکام رہے تھے اس لئے وہ ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیں گے۔ اس کے بعد 5 جولائی 1947ء مسٹر گاندھی نے خان عبدالغفار خان کو ایک خط لکھا (جسے وائسرائے کے ذریعے بھیجا گیا تھا) کہ خدائی خدمتگار ریفرنڈم میں کوئی حصہ نہ لیں کیونکہ جہاں تک ان کے داخلی امور کا تعلق ہے ان کو یہ مطالبہ کرنے کا حق ہے کہ ان کو ایسی خود مختاری حاصل ہو جس میں بھارت اور پاکستان مداخلت نہ کر سکیں اور جہاں تک بھارت اور پاکستان میں سے ایک کو منتخب کرنے کا تعلق ہے یہ فیصلہ وہ اس وقت کریں جب نہ صرف بھارت اور پاکستان کے آئین بن جائیں بلکہ سرحد کے لوگ بھی اپنا خود مختاری پر آئین تیار کر لیں۔

یہ تھے خان عبدالغفار خان کے خیالات اور سرگرمیاں اس وقت جب انگریز اور ہندو دونوں قیام پاکستان پر رضامند ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں (مسٹر گاندھی کی اس) نہایت شرانگیز تجویز کو بھی ذہن میں رکھئے جس کی رو سے پٹھانوں کو یہ سمجھایا گیا کہ انہیں ایسی خود مختاری حاصل کرنے کا حق حاصل ہے جس میں بھارت اور پاکستان مداخلت نہ کر سکیں۔

حق خود ارادیت

اس چنگاری کو خاص طور پر نگاہوں کے سامنے رکھنے کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس کے بعد خان عبدالغفار خان (اور خان عبدالولی خان) آزاد پختونستان کے بجائے "حق خود ارادیت" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عملی طور پر ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ ایسی "خود مختاری

جس میں پاکستان دخل نہ دے سکے۔" کامل آزادی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی حق خود ارادیت یا خود مختار صوبہ کی تجویز کو لے کر خان عبدالغفار خان آگے بڑھے اور پاکستان کی پہلی مجلس دستور ساز کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

ہم تمام پٹھانوں کے لئے پاکستان میں ایک خود مختار علاقہ چاہتے ہیں۔ میرا مطالبہ وہی ہے جو اسلام کا مطالبہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ڈیورنڈ لائن سے مشرق کی طرف تمام پٹھان متحد ہو جائیں اور اس مقصد کے لئے ہم آپ کی امداد چاہتے ہیں۔
(ہندوستان ٹائمز۔ 19948-03-6)

نسل پرستی

یعنی ایک خود مختار مملکت (پاکستان) کے اندر ایک خود مختار علاقہ کا مطالبہ اور اس کا مقصد بتایا جاتا ہے پٹھانوں کا اتحاد! پھر تماشا یہ کہ اس اتحاد کو جس کی بنا خالص نسل پرستی پر استوار ہے، اسلام کا مطالبہ کہہ کر پکارا جاتا ہے--- آہ بے چارہ اسلام! پھر کہا کہ "ہمیں یہاں خلفائے راشدین کے انداز پر حکومت قائم کرنی ہے۔" اس خلافت راشدہ کے انداز کی حکومت کہ جس میں ایک دفعہ دو سپاہیوں میں جھگڑا ہو گیا تو ان میں سے ایک نے اپنے قبیلے کا نام لے کر انہیں اپنی مدد کے لئے پکارا۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو وہ سخت برافروختہ ہوئے اور فوج کے مدار المہام حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فوراً ایک مراسلہ بھیجا۔ جس میں (علاوہ دیگر امور) لکھا کہ:

مجھے اطلاع ملی ہے کہ قبیلہ نبہ کے بعض افراد نے "یا آل نبہ" کہہ کر پکارا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو انہیں سخت سزا دو تاکہ وہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں۔ یاد رکھو! اگر کبھی قبائلی تنازعہ ابھرے اور کوئی شخص "یا آل فلاں" کہکر آواز دے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کی آواز ہے۔ ایسا کہنے والوں کی تلوار سے خبر لو۔
(شاہکار رسالت صفحہ 140)

لیکن خاں صاحب تو اسلام کے اشتراک کو معیار قومیت تسلیم ہی نہیں کرتے۔ 1972ء میں انہوں نے ٹائمز آف انڈیا کے نمائندے مسٹر دلیپ مکرجی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

چند سال پہلے کا پاکستان مر چکا ہے۔ مغربی پاکستان میں چار قومیتوں کے درمیان رشتہ کے لئے اسلام کافی نہیں رہے گا۔ اس کے لئے سیکولر بنیادوں پر رشتوں کی تعمیر کرنی ہو گی۔
(بحوالہ جسارت کراچی۔ مورخہ (72-03-27)

آپ غور کیجئے کہ مطالبہ پاکستان میں نزاع کس بنیادی سوال پر تھی؟ اس پر کہ قائد اعظمؒ (مسلم لیگ) کا دعویٰ تھا کہ مسلمان دین کے اشتراک کی بنیاد پر ایک جداگانہ قومیت کے افراد ہیں اور ہندو (اور نیشنلسٹ مسلمان) اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے تھے کہ قومیت کی تشکیل سیکولر بنیادوں پر (ملک کے اشتراک سے) ہوتی ہے۔ اگر سرحدی گاندھی صاحب کی بات تسلیم کر لی جائے تو پاکستان کا جداگانہ وجود ہی ختم ہو جاتا ہے--- اور یہی ان کا منشاء بھی تھا۔

بات حق خود ارادیت کی ہو رہی تھی۔ انہوں نے اسے اور آگے بڑھایا۔ پہلے یہ مطالبہ صوبہ سرحد تک محدود تھا۔ بعد ازاں اسے مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں پر پھیلا دیا۔ 1972ء میں ان حضرات کی نیشنل عوامی پارٹی کا ایک کنونشن کراچی میں منعقد ہوا جس میں یہ قرار داد پاس کی گئی کہ:

پارٹی کا موقف یہ ہے کہ پاکستان متعدد (قومیتوں پر مشتمل ایک ملک ہے جو مساوی حقوق کی مستحق ہیں اور یہ مسئلہ حق خود ارادیت کے اصول پر عمل کر کے ہی حل ہو سکتا ہے۔ (امروز لاہور۔ مورخہ 8 فروری۔ 1972ء)

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حق خود ارادیت در حقیقت مطالبہ علیحدگی ہی کی نقاب پوش شکل ہے۔ بعض اوقات (ہزار کوششوں کے باوجود) یہ نقاب سرک جاتی ہے تو عریاں حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ جولائی 1947ء میں ایک پریس کانفرنس میں خان عبدالولی خاں پر اعتراض ہوا کہ انہوں نے علیحدگی کا مسلک کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ خود قائد اعظمؒ علیحدگی کی تحریک کے بانی تھے۔ انہوں نے

ہندوستان سے علیحدگی اختیار کی۔ اب اگر کوئی قائد اعظمؒ کے پیروکار بنتے ہیں تو مستحق سزا قرار پاتے ہیں۔ (نوائے وقت۔ 20 جولائی 1947ء)

اگرچہ بعد میں انہوں نے کہا تھا کہ انہوں نے قائد اعظمؒ کا نام نہیں لیا تھا' لیکن اپنے مسلک علیحدگی سے انکار نہیں کیا تھا۔ آپ ایک ثانیہ کے لئے رک کر ان حضرات کے مسلک علیحدگی پر غور کیجئے۔ غیر منقسم ہندوستان میں یہ کانگرس کے ہم نوا تھے اور آخر تک کوشش کرتے رہے کہ ملک تقسیم نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں انہیں ہندوستان کے اندر' ہندوؤں کے ساتھ رہنا تھا۔ اس وقت انہوں نے نہ تو ہندوستان سے علیحدگی کا مطالبہ پیش کیا نہ ایک خود مختار علاقہ کا۔ حتیٰ کہ انہوں نے نسل کی بنیاد پر پٹھانوں کی الگ قومیت کا بھی دعویٰ نہ کیا۔ ہندوستان کا جزو' اور ہندوستانی قوم کا آٹوٹ انگ' (ناقابل تقسیم عضو) بن کر رہنے کے لئے نہ صرف رضامند تھے بلکہ اس پر مصر تھے لیکن جونہی مسلمانوں کی ایک الگ مملکت متشکل ہوئی سرزمین سرحد کی علیحدگی اور پٹھانوں کی جداگانہ قومیت کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا جذبہ محرکہ مسلمانوں کے خلاف جذبہ نفرت و عداوت تھا جنہیں (خان عبدالغفار خان) "بھیڑیئے" کہہ کر پکارتے تھے۔

افغانستان اور بھارت کے ساتھ تعلقات

آپ نے دیکھا ہو گا کہ تشکیل پاکستان کے بعد' خان عبدالغفار خان بیشتر افغانستان میں رہتے اور ماسکو اور بھارت میں اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے تعلقات کس قسم کے تھے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ 1948ء میں جب حکومت پاکستان نے خان برادران (خان عبدالغفار خان اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب) کے خلاف تادیبی کاروائی کی اور سرخپوشوں کو خلاف قانون قرار دیا' تو بھارت کی پارلیمان میں یہ سوال اٹھایا گیا' اور مطالبہ کیا گیا کہ بین المملکتی قیدیوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں خان برادرز کو ہندوستان منتقل کرنے کا انتظام کیا جائے۔ اس کے جواب میں وہاں کے وزیر بے محکمہ' مسٹر آئنگر نے کہا کہ:

پاکستان کو اس کے "اعمال بد" سے باز رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خان برادرز وہیں رہیں۔

وہاں کے اخبار ہندوستان ٹائمز نے اپنی 18 ستمبر 1948ء کی اشاعت میں ایک انتہائی زہر آلود اداریہ سپرد قلم کیا' اور نیشنلسٹ علماء کے سرخیل (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) نے ایک بیان میں کہا کہ:۔

صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گاروں پر نت نئے مظالم کی جو اطلاعات ہم تک پہنچ رہی ہیں' اگر وہ صحیح ہیں تو قیوم وزارت کا طرز عمل نہایت قابل افسوس اور مذموم ہے۔ سرخپوش' قوم کے سچے خادم ہیں اور انہوں نے جنگ آزادی میں ہمیشہ نمایاں حصہ لیا ہے۔ میں حکومت سرحد کو متنبہ کرتا ہوں کہ اسلام کے جعلی نام پر ان فسطائی اطوار کو قوم برداشت نہیں کرے گی۔ (ہندوستان ٹائمز۔ 7 ستمبر 1948ء)

اس بیان میں جو دوبار "قوم" کا لفظ آیا ہے' آپ غور کیجئے کہ اس سے کون سی قوم مراد ہے؟ بلاشبہ ہندوستانی قوم۔ یہی تھی وہ قوم جس کے' سرخپوش' سچے خادم تھے اور وہی قوم ان پر "مظالم" کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی تھی۔ آپ غور فرمائیے کہ تشکیل پاکستان کے بعد بھی' سرخپوشوں کا بھارت کے ساتھ کس قسم کا تعلق تھا۔

اب آیئے افغانستان کی طرف۔ خان عبدالغفار خان' وحدت مغربی پاکستان کے سخت خلاف تھے۔ ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے انہیں اس کا حق حاصل تھا کہ جس اقدام کو وہ اچھا نہیں سمجھتے اس کی آئینی اور قانونی انداز سے مخالفت کریں لیکن بات سرحد سے آگے بڑھ چکی تھی۔ انہی دنوں افغانستان کے وزیر اعظم سردار داؤد خان نے خواہش ظاہر کی کہ وہ وزیر اعظم پاکستان سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ بخوشی تشریف لے آئیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ 14 اکتوبر 1955ء سے پہلے آنا چاہتے ہیں۔ اسے بھی منظور کر لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ 14 اکتوبر سے پہلے نہیں آسکتے اس کے بعد کی کوئی

تاریخ مقرر کی جائے اور ساتھ ہی یہ شرط عائد کردی کہ:
ملاقات تک' وحدت مغربی پاکستان کے منصوبہ پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔
آپ غور کیجئے کہ کسی مملکت کے وزیر اعظم کو اس کا کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی دوسری مملکت کے اندرونی معاملات میں نہ صرف دخل اندازی کرے بلکہ یہ شرط بھی عائد کردے کہ اس کی ملاقات تک' حکومت پاکستان اپنے منصوبے پر عمل پیرا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ حکومت نے اس شرط کے ماننے سے معذرت چاہی۔ اس پر سردار صاحب سخت ناراض ہو گئے اور کراچی میں متعین افغانی سفیر کو واپس بلالیا۔

سفیر (سردار عتیق خان صاحب) نے جاتے جاتے ایک پریس کانفرنس طلب کی اور اس میں کہا کہ ان کی واپسی وحدت مغربی پاکستان کے خلاف احتجاج ہے۔ انہوں نے پھر ریفرنڈم کا مطالبہ کیا' اور کہا کہ 1921ء کا معاہدہ جس کی رو سے افغانستان اور ہندوستان (اور تقسیم کے بعد' افغانستان اور پاکستان) کے درمیان موجودہ سرحد تسلیم ہوئی تھی' ان کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ (طلوع اسلام بابت 5 نومبر 1955ء)

اس ایک واقعہ سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ خان عبدالغفار اور ان کے رفقاء کے ساتھ افغانستان کے تعلقات کس قسم کے ہیں' اور افغانستان کے پاکستان کے خلاف کس قسم کے عزائم!

بیرونی ممالک میں تحریک پختونستان

موجودہ سیاست کا عام انداز یہ ہے کہ جس حکومت کو اپنے ملک میں ناکامی ہوتی ہے' وہ کسی دوسرے ملک میں اپنی عارضی حکومت قائم کرلیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی انداز تحریک پختونستان کے موجدین نے اختیار کیا۔ ان کے لئے جب پاکستان میں حالات مساعد نہ رہے تو انہوں نے بیرون ملک اپنی تنظیم کے اکھاڑے قائم کئے۔ 1955ء میں امریکہ سے کچھ لٹریچر موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک آزاد پختونستان سوسائٹی قائم کی گئی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر' کیلیفورنیا کا شہر سکرامنٹو ہے۔ اس سوسائٹی کی طرف سے شائع شدہ ایک پمفلٹ میں بتایا گیا کہ وہاں' 2 ستمبر 1954ء کو پختونستان کا یوم آزادی منایا گیا اور اس میں اس تحریک کے صدر' ڈاکٹر اورنگ شاہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اس تحریک کے مقاصد اور عزائم کیا ہیں۔ ہفت وار طلوع اسلام نے اپنی اشاعت بابت 5 نومبر 1955ء میں ان کی اس پوری کی پوری تقریر کو شائع کیا تھا۔ وہ تقریر طول طویل ہے اس لئے ہم اسے یہاں نقل نہیں کرسکتے۔ اس کے صرف نمایاں نکات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انہوں نے حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:

آج دنیا میں جہاں جہاں بھی پختون اور افغان قوموں کے افراد بستے ہیں وہ اس تقریب آزادی کو بڑی مسرت سے منا رہے ہیں .... چھ سال پہلے کا ذکر ہے کہ آج کے دن پختونستان کے باشندوں نے اپنے اس عزم' راسخ اور نصب العین زندگی کا اعلان کیا کہ وہ مکمل آزادی حاصل کرکے رہیں گے اور اقوام عالم میں ایک خود مختار آزاد مملکت کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد پختونوں کا خیال تھا کہ انہیں ایک آزاد وحدت کی حیثیت سے حقوق خود اختیاری مل جائیں گے' جس طرح برما اور سیلون کو ملے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ انہیں ان حقوق سے محروم رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنی آواز بلند کریں اور حصول آزادی کے لئے ایک قوم کی حیثیت سے کھڑے ہو جائیں۔ چونکہ پختونستان کے رہنے والے افغان ہیں اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ افغانستان ان کے اس مطالبہ کی تائید کرتا اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ چنانچہ افغانستان کی حکومت اور وہاں کے باشندوں نے اس بات کا حلف لیا کہ وہ اس مطالبہ کی تائید بھی کریں گے اور اس کے حصول میں مدد بھی دیں گے۔

یہ تھا ڈاکٹر اورنگ شاہ صاحب کی تقریر کا ملخص۔ تقریر کے آخر میں ایک مختصر سا نوٹ بھی تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ:۔
پختونستان کے معنی ہیں پختون لوگوں کا ملک... یہ ملک سرحد

افغانستان اور دریائے سندھ کے درمیان واقعہ ہے... اور شمال میں چترال اور جنوب میں بلوچستان تک پھیلا ہوا ہے... پختون نسل کے لوگوں کا مذہب (؟) زبان، کلچر، طریق زندگی اور رسوم و رواج سب الگ ہیں اور شمال اور مشرقی علاقوں کے لوگوں سے بالکل مختلف۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بعد اس سوسائٹی کا کیا حشر ہوا، البتہ 1964ء میں، اسی قسم کا یوم آزادی، (یکم ستمبر 1964ء کو) نئی دہلی کی کانسٹی ٹیوشن کلب میں منایا گیا۔ اس تقریب کی صدارت آزاد تحریک پختونستان کے روح رواں خان غازی صاحب نے کی ان کی تقریر کو جو کافی طویل تھی، اخبار مدینہ کی 17 ستمبر 1964ء کی اشاعت کے حوالہ سے طلوع اسلام بابت نومبر 1964ء میں شائع کی گئی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

پختونوں کی تحریک آزادی میں آج کے دن کو وہی اہمیت حاصل ہے جو 26 جنوری کو ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہے۔ (26 جنوری 1929ء کو ہندوستان نے مکمل آزادی کا ریزولیشن پاس کیا تھا)۔

خان غازی نے مزید کہا:

آزادی کے بین الاقوامی قانون کی رو سے اس قوم (پختون) کو حق خود ارادیت ملنا چاہیے تھا جیسا کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ کی دوسری اور بڑی قوموں کو یہ حق دے دیا گیا ہے لیکن پختون قوم کو نہ صرف اس حق سے محروم رکھا گیا ہے بلکہ اسے سامراجی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک بالکل جدید اور خود ساختہ قوم کا ضمیمہ یا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

آخر میں انہوں نے کہا کہ:

پاکستان کے ارباب اقتدار کو معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کی سلامتی کا راز بھی اسی میں ہے کہ پختونستان آزاد ہو اور پختونوں کی حقیقی اور پائیدار دوستی حاصل کرنے کے لئے ان کے وطن پختونستان سے اپنے سبز پرچم کو اتار کر اس پر پختون کا سرخ پرچم لہرا دے۔

یہ تو رہیں پاکستان کے اندر ان کی سرگرمیوں کی نوعیت کیا تھی، اسے بھی ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔ یہ اوائل 1972ء کی بات ہے۔ روزنامہ امروز (لاہور) کی 26 جنوری 1972ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ:

پختون زلمے

نیشنل عوامی پارٹی نے "پختون زلمے" کے نام سے پختون نوجوانوں کی تنظیم کو از سر نو منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ نیپ کے سربراہ عبدالولی خان تنظیم کے سربراہ ہوں گے۔ یہ تنظیم تحصیل اور ضلع کی سطح پر قائم کی جائے گی۔ خان عبدالولی خان نے زلمے کے تمام کمانڈوں سے اپنے اپنے گروپ کے ارکان کی فہرستیں طلب کر لی ہیں۔ تنظیم مکمل ہونے کے بعد، اس کے کمانڈر آن چیف، خان عبدالولی خان سالاروں کے اجلاس بلائیں گے۔ زلمے کے ارکان سرخ ٹوپیاں پہنیں گے جب کہ کمانڈر سرخ رنگ کی جیکٹ اور اسی رنگ کی وردیوں میں ملبوس ہوں گے۔

یہ جنوری 1972ء کے آخری ہفتہ کی بات تھی۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں، خان عبدالولی خان نے پشاور کینٹ میں پختون زلمے کے دفتر کی افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ نیشنل عوامی پارٹی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے پرامن اور آئینی طریقوں پر یقین رکھتی ہے لیکن اگر ہم پر کوئی بات مسلط کی گئی تو یہ باقی ماندہ پاکستان کے لئے بدترین دن ہو گا۔ (مساوات۔ 4 فروری 1972ء)

ازاں بعد 16 فروری 1972ء کے پاکستان ٹائمز میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

خان عبدالولی خان نے (پشاور میں) کہا ہے کہ اگر موجودہ صورت حال کو بروقت بند نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ وہ خون ریزی ہو گا جس کے بعد پیپلز پارٹی کے پاس بہت تھوڑا حصہ رہ جائے گا جس پر وہ حکومت کر سکے گی۔

(ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خبر کہاں تک صحیح تھی لیکن یہ) روزنامہ امروز کی اشاعت بابت 8 اپریل 1972ء میں شائع ہوئی تھی

کہ:
پٹھان قبائل کے ساتھ مل کر پختونستان کے خواب دیکھ رہے ہیں' اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ ولی خان کی پارٹی کے پاس اپنا اسلحہ خانہ ہے جس میں بغیر لائسنس کے 35 ہزار ہتھیار محفوظ ہیں۔ کہا جاتا رہا ہے کہ علاقے کے تقریباً" 75 فی صد قبائل بھی مسلح ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی نے ہمالیہ کی وادی میں جدید اسلحہ کی فیکٹری قائم کر رکھی ہے جو مختلف قسم کا جدید اسلحہ تیار کرنے میں مصروف ہے۔
اس کے بعد' بلوچستان کے معروف سیاسی لیڈر' سردار محمد اکبر خان بگٹی نے' 11 فروری 1973ء کی سہ پہر' لاہور کے ایک پبلک جلسہ میں' بلوچستان اور نیپ کی خفیہ تنظیموں کے متعلق ایسے انکشافات کئے جن سے ہر بہی خواہ پاکستان تھر تھرا اٹھا۔ اس کی تفصیلات طلوع اسلام کی اشاعت بابت مارچ 1973ء میں شائع ہوئی تھیں لیکن ہم انہیں دھرانا نہیں چاہتے کیونکہ یہ سوال اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ ان انکشافات اور الزامات میں کس حد تک صداقت ہے؟

یہ ہیں مختصر طور پر تحریک پختونستان کے نمایاں خد و خال۔ اسے ہم نے واقعات کی روشنی میں مرتب کیا ہے جو پریس میں آچکے ہیں اور جن کا ہم نے حوالہ بھی دیدیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا تھا' ہم نے ان پر نہ تو کسی قسم کا تبصرہ یا تنقید کرنا چاہتے ہیں' نہ ہی عوامی نیشنل پارٹی کے اکابرین کے بیانات کے سلسلہ میں کسی بحث کا آغاز چاہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اہم بھی ہے اور انتہائی نازک بھی۔ اس لئے ہمارے نزدیک اسے پبلک میں بحث و تمحیص کا موضوع نہیں بننا چاہئے' بالخصوص ایسے حالات میں جب پڑوسی ممالک میں سب ٹھیک نہیں ہے اور خود ہمارے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین جمع ہیں۔ ہمارے خیال میں خان ولی خان صاحب کو ایسے نازک موقعہ پر اس موضوع کو چھیڑنا نہیں چاہئے تھا اور نہ ہی صوبے کا نام تبدیل کرنے کے بظاہر بے ضرر مطالبے کے ڈانڈے باچا خان مرحوم کے منصوبوں سے ملا کر "اک بحران اور سہی" کی فضا پیدا کرنا ایسے وقت میں ان کے لئے مناسب تھا۔

انعامی اعلان

مفکر ملت سر سید احمد خانؒ کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا جس کی تفصیل جنوری 98ء کے طلوع اسلام میں آچکی ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔
"سورۃ اخلاص کے حقائق اور اکیسویں صدی" کے موضوع پر انعامی مقابلہ میں موصولہ مضامین کی انعامی ترتیب کے لئے باغبان ایسوسی ایشن کے ممبران میں سے مندرجہ ذیل محترم حضرات کو جج کا اعزاز عطا کیا جاتا ہے۔"

1۔ سید ضمیر حسین۔ ایم۔ اے بی ایڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول موہڑہ سیداں مری۔
2۔ ملک عبدالمجود ایم۔ اے بی۔ ایڈ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول پکہ بیگوال مری۔
3۔ محمد ارشاد بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول موہڑہ سیداں مری۔
4۔ محمد احسان اللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈ وکیٹ B-Y/12 سول لائنز گجرات۔

مضامین موصول ہونے کی آخری تاریخ 9 مارچ 98ء تک بڑھا دی گئی ہے۔
(نوٹ۔ مخیر حضرات کے تعاون سے پہلا انعام ایک ہزار روپیہ مقرر کیا گیا ہے)

پتہ رابطہ۔ ملک حنیف وجدانی
صدر باغبان ایسوسی ایشن موہڑہ سیداں مری
معرفت پوسٹ کوڈ نمبر ۴۷۲۲۴/47224

پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک حالیہ اجلاس میں یہ سوال بڑی سنجیدگی سے زیر بحث آیا کہ پاکستان کس نے بنایا؟ اور تحریک پاکستان کے دوران کس کا کیا کردار رہا؟ اس دوران بعض حلقوں کی طرف سے سنگین نوعیت کی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جن کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ طلوع اسلام اگرچہ ماضی کے جھمیلوں میں پڑنے کا حامی نہیں تاہم جب کوئی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے بالخصوص جن کا تعلق تشکیل پاکستان اور دو قومی نظریہ سے ہوتا ہے تو پھر خاموش رہنا اس کے نزدیک قومی فرائض سے غفلت برتنا ہے۔ طلوع اسلام تحریک پاکستان کا نہ صرف چشم دید گواہ ہے بلکہ اس کے ہراول دستہ کا ایک ادنیٰ سپاہی بھی رہ چکا ہے۔ پاکستان اور نظریہ پاکستان کا دفاع کرنا اس کا جزو ایمان ہے۔ لہٰذا اس طرف جو کوئی بھی اپنے مذموم عزائم لے کر بڑھے گا اس کا بھرپور مقابلہ کیا جائیگا۔ زیر نظر مضمون میں تاریخ پاکستان سے متعلق حقائق کو موتیوں کی طرح شفاف اور نکھرا ہوا پیش کیا گیا ہے۔ ان میں رتی بھر شک کی گنجائش نہیں۔

دوسرے اس مضمون کی اہمیت اس لحاظ سے بھی مزید بڑھ جاتی ہے کہ اس ماہ سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام سرسید کی صد سالہ تقریب کے سلسلے میں ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا جا رہا ہے جس میں صدر پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان بھی شرکت فرمائیں گے۔ سرسید احمد خان پاکستان کا معمار اول کہلاتا ہے۔

(مدیر طلوع اسلام)

پاکستان کس نے بنایا؟

کہتے ہیں کہ جب سیمرغ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کے آخری دن قریب آگئے ہیں، تو وہ اپنے گرد تنکے جمع کر لیتا ہے اور اس آشیاں میں بیٹھ کر دیپک راگ الاپتا ہے جس سے اس کے پروں سے شعلے نکلتے ہیں۔ ان سے اس کا آشیانہ بھی جل جاتا ہے اور وہ خود بھی راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس راکھ پر بارش کا پھینٹا پڑتا ہے تو اس میں سے ایک نیا سیمرغ پیدا ہو جاتا ہے۔

سیمرغ کے متعلق تو معلوم نہیں، لیکن جن قوموں میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوتی ہے، حوادث زمانہ انہیں جلا کر راکھ کا ڈھیر بھی کیوں نہ بنا دیں، ان کی خاکستر کے اندر سے دبی ہوئی چنگاری ابھرتی ہے اور اس سے ایک ایسا زندہ انسان پیدا ہو جاتا ہے جو اس قوم کو حیات نو عطا کر دیتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد۔۔ کہ جسے انگریز کی استعماریت نے "غدر" سے تعبیر کر کے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تھی، مسلمان یکسر راکھ کا ڈھیر بن کر رہ

گئے تھے۔ ان کی سلطنت ہی نہیں چھنی تھی، ان کی ملی ہستی ختم ہوگئی تھی۔ وہ ایک قوم کی حیثیت سے باقی ہی نہیں رہے تھے۔ انگریز نے ملت کش پالیسی اختیار کرکے ایک بار پھر فرعونی استبداد کی یاد تازہ کرادی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہندو نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ وہ انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنی ہزار سالہ غلامی کا انتقام ان مسلمانوں سے لے گا جو کسی نہ کسی طرح زندہ رہ گئے تھے۔ انہوں نے اس مقصد کی لئے ہر اقدام کا مورد مسلمانوں کو ٹھہرایا ۔ "لائل محمڈنز اوف انڈیا" کے مصنف کے الفاظ میں۔

"اس وقت کوئی آفت ایسی برپا نہیں ہوئی جس کے متعلق یہ نہ کہا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے برپا کیا تھا، خواہ اسے رام دین اور ماتا دین نے ہی کیوں نہ کیا ہو۔ کوئی بلا آسمانوں سے ایسی نہیں آئی جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ تاکا ہو۔ کوئی کانٹوں والا درخت اس زمانے میں نہیں اگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ یہ مسلمانوں نے بویا ہے۔ کوئی آتشیں بگولا نہیں اٹھا جس کے بارے میں یہ مشہور نہ کیا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے اٹھایا ہے"

یہی تھے اس قوم کے وہ ناکردہ گناہ جن کی پاداش میں ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب (دی انڈین مسلمانز) میں تجویز کردیا تھا کہ مستقبل کے ہندوستان میں مسلمانوں کا مقام لکڑہاروں اور سقاوں سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔

لیکن عین اسی زمانے میں خود انگریزی حکومت کے ایک دفتر کا معمولی ملازم (صدر امینی کا سر رشتہ دار) جس کے بچپن اور جوانی کا زمانہ، خود اس کے اپنے الفاظ میں "کبڈی کھیلنے، کنکوے اڑانے اور ناچ مجرے دیکھنے میں گزرا تھا" اس قوم کی خاکستر سے چنگاری بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے قوم کے عروق مردہ میں زندگی بخش حرارت بن کر سرایت کرگیا۔ جب اس کے دل میں قوم کو سنبھالنے کا احساس بیدار ہوا ہے تو فضا میں چاروں طرف چھائی ہوئی مایوسی کا عالم کیا تھا، اس کے متعلق اس نے بعد میں خود کہا تھا کہ

"میں اس وقت ہرگز یہ نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپ سکے گی اور از سر نو عزت پانے کے قابل ہوجائے گی۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کردیا اور میرے بال سفید ہوگئے"
۔

یہ مسیحائے ملت، کہ قوم کے غم نے، جس کے جوانی ہی میں بال سفید کردیئے تھے، سید احمد خان تھا، جو بعد میں سر سید کے نام سے متعارف ہوا۔ اس زمانے میں بھی اس کے دل میں قوم کے غم کی گہرائی اور کیرکٹر کی بلندی کی کیا کیفیت تھی، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایئے۔ اس نے اس عالمگیر خلفشار کے زمانہ میں محض انسانی ہمدردی کی بناء پر بہت سی انگریز عورتوں اور بچوں کی جان بچائی تھی۔ حکومت نے ان کی ان خدمات کے صلے میں روسائے چاند پور کی ضبط شدہ جاگیر اور اس کے ساتھ ایک معقول جائداد پیش کی لیکن اس نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ

"ایک مسلمان بھائی کے خون سے اپنی پیاس بجھانی مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتی"

اس نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک تقریر میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

"میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ نالائق اس دنیا میں کوئی نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائداد سے کر تعلقہ دار بنوں

چنانچہ میں نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا"۔

یاد رہے کہ سرسید، اس زمانے میں انگریز کی حکومت کا ملازم تھا اور وقت ایسا تھا کہ گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کی پیش کش سے انکار، اس شخص کو باغیوں کے زمرے میں شامل کروا دینے اور پھانسی کے تختے پر لٹکوا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس کے بعد سرسید کھل کر سامنے آ گیا اور ایک طرف مسلمانوں کو انگریز کے استبداد

"ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔" اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہیں ہو سکیں گی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب سے ابھریگا، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا"۔

اور ہندو کی وسیع کاریوں سے بچانے اور دوسری طرف ان بکھرے ہوئے تنکوں کو اکٹھا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔

وہ اس زمانے میں کہا کرتا تھا کہ

"میں جب رات کو آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کے اس حصے کی جو نیلا نیلا، سیاہ اور ڈراونا سا دکھائی دیتا ہے کچھ بھی پروا نہیں کرتا، بلکہ ان ستاروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اس میں چمکتے ہیں اور معشوقانہ انداز کی کشش سے ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں"۔

اور پھر وہ اپنے ساتھیوں سے سوال کیا کرتا تھا کہ

"کیا تم اپنی قوم میں اس قسم کے لوگ پیدا کئے بغیر جو ستاروں کی طرح چمکتے ہوں، اپنی قوم کو معزز اور دوسری قوموں کی نگاہ میں باعزت بنا سکتے ہو؟"۔

وہ قوم کے لئے یہ کچھ کر رہا تھا اور قوم کے علمائے کرام اور مفتیان عظام اس پر کفر کے فتوے لگانے کے جہاد عظیم میں مصروف تھے

اور سارا زور اسے ملحد، لامذہب، کرسٹان، نیچری، دہریہ، دجال، مرتد اور کافر ثابت کرنے میں صرف فرما چکے تھے۔ اس میں ہر فرقہ کے مولوی صاحبان شامل تھے۔ حتیٰ کہ جب فتویٰ پر چوٹی کے ساٹھ مولویوں کی مہروں اور دستخطوں سے سرسید کی تکفیر پر اجماع ہو گیا تو پھر یہ حضرات یہاں سے بھاگے، بھاگے مکہ معظمہ پہنچے، تاکہ حرمین شریف کی مہروں سے فتویٰ کی محکمیت کو اور زیادہ ثبت کیا جائے، چنانچہ انہوں نے بھی فرما دیا کہ

"یہ شخص یا تو ملحد ہے یا شرع سے کفر کی طرف مائل ہو گیا ہے یا زندیق ہے کہ کوئی دین نہیں رکھتا۔ اگر اس نے گرفتاری سے پہلے توبہ کر لی اور ان گمراہیوں سے رجوع کی اور توبہ کی علامتیں اس سے ظاہر ہو گئیں، تو قتل نہ کیا جائے ورنہ دین کی حفاظت کے لئے اس کا قتل واجب ہے"

سرسید، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر بہ شہر، کوچہ بکوچہ، قوم کا درد دل میں لئے، اس کی زندگی اور فلاح و بہبود کے لئے دیوانہ وار پھرتا تھا اور یہ حامیان شرع مبین اور مفتیان دین متین "کفر" کے فتووں کا انبار اٹھائے، اس کے پیچھے لگے رہتے اور لوگوں کو تلقین کرتے پھرتے کہ اگر نجات چاہتے ہو تو اس شخص کی کوئی بات نہ سننا۔

اس کے جواب میں سرسید کیا کہتا تھا، سنیئے۔ ایک مرتبہ وہ اسی تکفیر کے ہنگاموں اور گالی گلوچ کے جلو میں علی گڑھ مدرسہ کی تعمیر کے سلسلے میں لاہور آیا تو ایک اجتماع عظیم میں تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے بزرگان پنجاب، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک کافر و مرتد آپ کی قوم کی بھلائی کی کوشش کرے تو کیا آپ اسے اپنا خادم اور خیر خواہ نہیں سمجھیں گے۔ آپ کے لئے دولت سرا بنانے میں جس میں آپ آرام کرتے ہیں اور آپ کے بچے آرام پاتے ہیں یا آپ کے لئے مسجد بناتے ہیں جس میں آپ خدائے ذوالجلال کا نام پکارتے ہیں، چمار، قلی، کافر، بت پرست، بدعقیدہ، سب مزدور کام کرتے ہیں مگر آپ نہ کبھی اس دولت خانے کے دشمن ہوتے ہیں اور نہ مسجد کے منہدم کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ آپ مجھے بھی اس مدرسہ (علی گڑھ) کے قائم کرنے میں ایک قلی اور چمار کی مانند تصور کر لیجئے اور میری محنت اور مشقت سے اپنے لئے گھر بننے دیجئے"۔

سرسید کی یہ ساری کوششیں کس مقصد کے لئے تھیں؟ اس مقصد

کے لئے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی۔ جو بکھرے ہوئے تنکوں کی طرح فضا میں منتشر تھے، پھر سے شیرازہ بندی کی جائے تا کہ وہ اس ملک میں قائم بالذات اور مستقل جداگانہ قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ مسلمانوں کو یہ حیثیت دینے کے لئے نہ انگریز تیار تھا نہ ہندو رضامند۔ انگریز انہیں ایک باغی مذہبی فرقہ تصور کرتے تھے اور ہندو انہیں اچھوت قرار دینے کے درپے تھے۔ لیکن سرسید نے ان دونوں کے علی الرغم اعلانیہ کہہ دیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔

"اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں اب کسی کام میں، بھی دل سے شریک نہیں ہو سکیں گی۔ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب سے ابھریگا، جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا"۔

سرسید نے یہ الفاظ (۱۸۶۷ء میں) بنارس کے کمشنر، مسٹر شکسپیئر کے سوال کے جواب میں کہے تھے۔ پاکستان کی بنیاد اس نظریہ پر استوار ہوئی ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اس لئے ان کی مملکتیں بھی الگ الگ ہونی چاہئیں۔ اس اعتبار سے دیکھیئے تو یہ اعلان اس بنیاد کی پہلی اینٹ ہے جو آج سے سو سال پہلے سرسید کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ اس اینٹ کو رکھتے ہوئے اس نے دارالعلوم کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"یاد رکھو، سب سے سچا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اسی پر یقین رکھنے سے ہماری قوم، ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر اگر تم آسمان کے ستارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے امید ہے کہ تم علم اور اسلام دونوں باتوں کے نمونے ہو گے اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہو گی"۔

یہ تھا پاکستان کا معمار اول ---- سرسید ---- جس پر یہاں سے لیکر مکہ معظمہ تک کے علمائے کرام نے کفر و الحاد کے فتوے لگائے تھے۔ سوچئے کہ اگر قوم اس وقت ان فتووں کا اثر قبول کر لیتی تو ہم گنہگار تو ایک طرف، خود اس مقدس طائفہ کی اولاد کا کیا حشر ہوتا؟ ان میں سے کوئی بھی عبداللہ اور عبدالرحمٰن نہ ہوتا، سب للہ گردھاری لعل یا فضل مسیح ہوتے۔

سرسید نے آنکھیں بند کیں تو اس شمع کو سیالکوٹ کے ایک نوجوان کے سپرد کر دیا، جو اس زمانے میں ہنوز،

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

کا وطنی ترانہ گایا کرتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ یورپ گیا اور وہاں وطنیت یا قومیت (نیشنلزم) کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس پر قرآن کریم میں بیان کردہ حقیقت بے نقاب ہو گئی کہ قومیت کی بنیاد مشترکہ آئیڈیالوجی (یا ایمان) ہے، وطن کا اشتراک نہیں۔ چنانچہ جب وہ وہاں سے واپس آیا تو اس کی زبان پر "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" ---- کی جگہ

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

تھا۔ اس زمانے میں یہاں قومیت پرستی کا بڑا چرچا تھا۔ اس لئے کہ یہ

مسلمان ایک جداگانہ قوم ہے۔ اس لئے اس کی مملکت بھی الگ اور آزاد ہونی چاہیئے تا کہ یہ اس میں قرآن کے احکام کو ایک زندہ حقیقت کی طرح نافذ کر کے صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکے۔

تصور، ہندو اور انگریز دونوں کے لئے مفید تھا۔ اقبال کی نگہ دور رس نے، مسلمانوں کے لئے اس عظیم خطرے کو بھانپا اور جو بات سرسید نے پچاس سال پہلے کہی تھی اسے شرح و بسط کے ساتھ کہنا شروع کر دیا۔ اس نے نظریہ وطنیت کے فریب خوردہ مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ یاد رکھو۔

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا، ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

اور اس سے بھی واضح تر الفاظ میں کہ

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دین ہے تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

وہ یوم اول سے اپنے آخری سانس تک اسی پیغام کو دہراتا چلا گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ فضا اس سے متاثر ہوگئی ہے تو اس نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہے۔ اس لئے اس کی مملکت بھی الگ اور آزاد ہونی چاہیئے تا کہ یہ اس میں قرآن کے احکام کو ایک زندہ حقیقت کی طرح نافذ کر کے صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکے۔ حضرات علمائے کرام نے اقبال کے خلاف پہلے ہی کفر کے فتوے صادر کر رکھے تھے، اس اعلان نے گویا بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دیا۔ قومیت پرست علماء نے مخالفت کا طوفان برپا کر دیا۔ وطن کے اشتراک پر ہندو اور مسلم کی متحدہ قومیت کے جواز میں بزعم خویش خدا اور رسول کے ارشادات پیش کئے جانے لگے۔ اس طائفہ کے سرخیل، مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) نے برملا کہا کہ

"اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں"

چونکہ یہ الفاظ ہندوستان کے سب سے بڑے دارالعلوم کے شیخ الحدیث کی زبان سے نکلے تھے اس لئے ان سے اقبال کے دل پر چھری چل گئی۔ اس کے سینہ پرسوز سے بے ساختہ ایک چیخ نکلی جس نے ان زندہ جاوید اشعار کی شکل اختیار کر لی کہ ع

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی است

اس کے بعد مولانا مدنی کے جواب پر انہوں نے جو بیان شائع کیا وہ اس موضوع پر گویا حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انہوں نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ

"اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بہ حیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں، تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہوگا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی"۔

اور اس کا خاتمہ انہوں نے ان الفاظ پر کیا کہ

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن اس آزادی سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں، بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائے، اس لئے مسلمان کسی ایسی حکومت، کے قیام میں مدد گار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں، جن پر انگریزی حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد؟ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتہ نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے لیکن اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دار الکفر ہے ویسا ہی رہے یا

"اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں کہ دین اور وطن بہ حیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں، تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہوگا اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی"۔

مسلک یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر محض ایک وطن کے باشندے ہونے کی بنیاد پر ایک قوم کے افراد ہیں اور یہ تصور باطل ہے کہ اسلام کو زندہ حقیقت بننے کے لئے آزاد خطہ زمین کی ضرورت ہے جس میں حکومت، قوانین خداوندی کے مطابق قائم ہو۔ وہ کہتے تھے کہ سیکولر انداز کی جمہوریت جس میں غیر مسلم (ہندو) اکثریت قانون وضع کرے، عین مطابق اسلام ہے۔ بس اتنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کو پرسنل لاء (شخصی قانون) یعنی نکاح، طلاق وغیرہ سے متعلق معاملات علمائے کرام کے ہاتھ میں رہیں۔ وہ تھا مسٹر جناح کا دعویٰ اور یہ تھا علمائے کرام کا مسلک۔ انسان کی آنکھ نے اس سے زیادہ تعجب انگیز اور تاسف خیز تماشا شاید ہی کہیں اور دیکھا ہو کہ ڈاڑھی مونچھ منڈا، سوٹ بوٹ میں ملبوس، مغرب کا تعلیم یافتہ مسٹر جناح مسلمانوں سے یہ کہہ رہا ہو کہ

"اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطہ اخلاق ہے، جو مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی واجبات کا مسئلہ ہو یا انفرادی حقوق کا، ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرم نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن

ہندو اور مسلمان دونوں مل کر محض ایک وطن کے باشندے ہونے کی بنیاد پر ایک قوم کے افراد ہیں اور یہ تصور باطل ہے کہ اسلام کو زندہ حقیقت بننے کے لئے آزاد خطہ زمین کی ضرورت ہے جس میں حکومت، قوانین خداوندی کے مطابق قائم ہو

کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہیئے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جانا چاہیئے"۔ (۱۹۴۵ء میں عید کا پیغام) اور اس کے برعکس، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) مسلمانوں کو اس کانگریس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے جس کی قیادت مہاتما گاندھی کے ہاتھ میں تھی مہاتما گاندھی کے متعلق ان کا ارشاد تھا کہ

"وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک ہی روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو تھکنے نہیں دیتا"۔

(خطبہ صدارت پرتاپ گڑھ کانگریس)

یہ اس شخص کے متعلق کہا جارہا تھا جو بڑے فخر سے اعلان کرتا تھا کہ

"میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیونکہ میں ویدوں اور اپنشدوں، پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں۔ اوتاروں کا قائل ہوں، تناسخ پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ میں گئو رکھشا کو اپنے دھرم کا جز سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا۔ میرے جسم کا رواں رواں ہندو ہے"۔ (بحوالہ خطبہ صدارت قائداعظم مسلم لیگ سیشن دہلی اپریل ۱۹۴۳ء)

مسٹر جناح پہلے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ

"وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کردی گئی ہے"۔

اور پھر خود ہی ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے کہ

"وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر، خدا کی عظیم کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک امت"۔ (لیگ سیشن کراچی، ۱۹۴۳ء)

اس کے برعکس، مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) فرماتے ہیں کہ

"یہ تخیل کہ مسلمان برصغیر مذہب ایک جداگانہ قوم ہیں اور ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان، انگریزوں کا وضع کردہ ہے"۔

"یہ تخیل کہ مسلمان بربنائے مذہب ایک جداگانہ قوم ہیں اور ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان' انگریزوں کا وضع کردہ ہے"۔

اور اس کے بعد وہ سینے کے پورے زور سے اعلان کرتے ہیں کہ "میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں"۔ (ایضا)

یہ وہی ابوالکلام آزاد ہیں جو کسی زمانے میں کہا کرتے تھے کہ "انسان کی اجتماعی حیات اور قومیت دراصل ان تمام عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے جو نسل و وطن اور متوارث و متواصل علائق نسلی سے ترکیب پاتے ہیں۔ انبیائے کرام کا مشن یہ ہوتا ہے کہ ان تمام نسلی اور قومی امتیازات کو مٹا کر ایک نئی روحانی امتیاز و خصوصیت کی بنیاد پر نئی قومیت پیدا کریں"۔

آگے چل کر لکھا تھا

"یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے۔ ہر انسان جس نے کلمہ لاالہ الا اللہ کا اقرار کیا' بمجرد اقرار کے اس برادری میں شامل ہو گیا' خواہ وہ مصری ہو' خواہ الجیریا کا وحشی ہو' خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک ،لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندان توحید کا عضو ہے' جس کا گھرانہ کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا' بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں لیکن یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ پس درحقیقت' اسلام کے نزدیک' وطن و مقام' رنگ و نسل' اور زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں ---- انسان کے تمام دینوی رشتے خود انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصل رشتہ صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جو انسان کو اس کے خالق اور پروردگار سے متصل کرتا ہے"۔

وہ ابوالکلام آزاد جو اپنے دور الہلال (۱۶-۱۹۱۲ء) میں کیا کہتا تھا' اب کیا کہہ رہا تھا' اسے برادران عزیز' ذرا کلیجہ تھام کر سنیئے۔ مولانا آزاد اپنی کتاب میں جو ان کی زندگی کا آخری کارنامہ ہے (اور جو شائع ان کی وفات کے بعد ہوئی ہے) لکھتے ہیں۔

"لوگوں سے یہ کہنا کہ زمین کے ایسے قطعوں میں جو جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی لحاظ سے اس قدر مختلف ہوں' مذہبی یگانگت سے وحدت پیدا ہو سکتی ہے' بہت بڑا فریب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے ایک ایسی برادری کی تشکیل چاہی تھی جو نسلی' لسانی' معاشی اور سیاسی حدود سے بلند ہو کر وجود میں آئے۔ لیکن تاریخ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ ایک مختصر عرصے کے بعد جسے زیادہ سے زیادہ سو سال کا عرصہ کہیئے' اسلام اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ مختلف ملکوں کو دین کی بنیادوں پر ایک وحدت بنا سکے"۔

استغفراللہ۔ استغفراللہ۔ مولانا آزاد کا کہنا یہ ہے کہ اسلام نے دین کی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل کی کوشش کی لیکن وہ تجربہ ناکام رہا اور اب اسے دہرانا حماقت اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا بہت بڑا فریب ہے۔ یہ وہی آزاد ہیں جو مسلمانوں کو برسوں تک یہ دعوت دیتے رہے کہ

"یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے۔ دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا"۔

سچ ہے انسانی عروج کی تو ایک انتہا ہوتی ہے لیکن جب وہ پستی کی طرف گرتا ہے' تو اس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہوتی جن غیر مسلموں کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت میں جذب ہو جانے پر اب مولانا فخر محسوس کرتے تھے ان کے متعلق وہ کبھی مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ

"کفار کے عہد و پیمان کا تمہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ وہ آبرو باختہ ہیں۔ عزت نفس و شرف کا انہیں لحاظ تک نہیں۔ قسمیں کھاتے ہیں' حلف اٹھاتے ہیں کہ یہ وعدہ استوار ہے' اس میں دوام و استمرار ہے۔ یہ عہد محکم ہے۔ یہ قول و قرار قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان سے سب کچھ کہتے ہیں مگر ہاتھ سے کام کرتے وقت کچھ یاد نہیں رکھتے۔ لہذا' ان سے مسلمانوں کو ساز باز نہیں رکھنی چاہیئے۔ ان سے

بے تعلق ہونا لازم ہے" (الہلال، ۲۸ اگست ۱۹۱۳ء)

بہر حال، وہ تھی مسٹر جناح کی دعوت اور یہ تھی ہمارے علمائے کرام کی حالت۔ ہم نے اس باب میں مولانا آزاد (مرحوم) کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا ہے کہ یہ قومیت پرست علما کے امام تھے ورنہ باقی حضرات بھی مسلمانوں کی الگ مملکت کے مطالبہ کی مخالفت میں ان سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن یہ خدا کا بندہ تھا کہ مخالفتوں کے اس تمام طوفان میں روشنی کے مینار کی طرح اپنے مقام پر کھڑا تھا اور اپنے مبنی بر صداقت مطالبہ کی نور پاشیوں سے باطل کی تاریکیوں کو ہٹاتا اور مٹاتا چلا جارہا تھا، اس کی مسلسل جدوجہد اور اتھک کوششوں کا نتیجہ تھا جسے اس نے۔۔۔ (مارچ ۱۹۴۴ء میں) پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ان الفاظ میں بیان کیا کہ

"پاکستان کے تصور کو جو، اب مسلمانوں کے لئے ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے، مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کی حفاظت، نجات اور تقدیر کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ اسی سے یہ آواز اقصائے عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مملکت بھی ہے جو اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرے گی"۔

پھر انہوں نے (۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو) فرنٹیئر مسلم لیگ پشاور کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا

"مسلمان، پاکستان کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطہ حیات، ثقافتی نشوونما، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔

جون ۱۹۴۵ء میں انہوں نے فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس کے پیغام میں فرمایا کہ

"پاکستان سے مطلب یہ نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف اپنی آزادی ہی حاصل نہیں کرنی، ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں۔ اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔

مسٹر جناح اپنی اس پکار کو برابر دہراتے جارہے تھے اور مولوی حضرات اسلامی حکومت کے اس مطالبہ کی مخالفت میں دن بدن تند و تیز ہوتے جارہے تھے۔ ہم نے اس سے پہلے ان کی مخالفت کے جس گوشے کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق نیشنلسٹ علماء اور اس مسلک کی داعی دیگر جماعتوں سے تھا، مثلاً جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار، آزاد مسلمان، انصار، سرخپوش وغیرہ، لیکن ان کے علاوہ ایک گوشہ اور بھی تھا جس کی طرف سے مخالفت کا انداز ہی نرالا تھا۔ یہ تھی جماعت اسلامی اور اس کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔ یہ متحدہ قومیت کے بھی مخالف تھے، لیکن اس کے ساتھ مطالبہ پاکستان کے بھی دشمن۔ اس عداوت میں یہ حضرات نیشنلسٹ علماء سے بھی دو قدم آگے تھے۔ آپ نے ان چند اقتباسات سے، جنہیں پہلے پیش کیا گیا ہے، دیکھ لیا ہو گا کہ علامہ اقبال اور قائداعظم نے کس طرح صاف، بین اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو واشگاف کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بہ تکرار و اصرار، واشگاف کرتے چلے گئے کہ پاکستان سے مراد ایک ایسی مملکت کا قیام ہے جس میں قوانین اسلامی کے مطابق حکومت قائم کی جائے گی۔ لیکن مودودی صاحب یہ کہہ کر مسلمانوں کو اس مطالبہ کی حمایت کرنے سے باز رکھنے کے جہاد عظیم میں مصروف تھے کہ

"مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے"

(سیاسی کشمکش، حصہ سوم، مطبوعہ ترجمان القرآن، محرم ۱۳۶۰ھ ص ۲۷ فٹ نوٹ)

آپ نے غور فرمایا کہ ان تمام اعلانات اور بیانات کی موجودگی میں جو مسلم لیگ کے دوسرے درجہ کے لیڈر تو ایک طرف، خود علامہ اقبال اور قائداعظم کی طرف سے شائع ہوئے تھے اور ہوتے چلے جارہے تھے، یہ کہنا کہ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے،

کس قدر دیدہ دلیری ہے۔

اور آگے بڑھئے۔ ان کی مخالفت کی آگ اسی سے ٹھنڈی نہیں ہوئی انہوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہوجائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہوجائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا، ہو مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی"۔ (ایضاص ۲۹)

"مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے"

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہندو اور انگریز سے جنگ اس بات پر ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطہ زمین حاصل کیا جائے جس میں یہ آزاد حکومت قائم کرسکیں۔ جب یہ خطہ زمین حاصل ہوجائے گا تو اس میں مسلمانوں کو یہ اختیار و اقتدار حاصل ہوگا کہ وہ اسلامی حکومت قائم کرلیں۔ اگر آزاد خطہ زمین ہی نہ ملا تو اسلامی حکومت کے قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب فرماتے ہیں

"بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی، مسلمانوں کو قومی اسٹیٹ تو قائم ہوجائے پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن العمل سمجھتا ہوں اور اگر یہ کامیاب ہوجائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا"۔ (ایضاص ۶۰)

واضح رہے کہ اب وہی مودودی صاحب، پاکستان کے خطہ زمین میں اپنے تصورات کے مطابق اسلامی اسٹیٹ قائم کرنے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کر رہے ہیں اور اس اسلامی اسٹیٹ کی بنیاد اس جمہوری نظام کو قرار دے رہے ہیں جس کے متعلق انہوں نے فرمایا تھا کہ اس

کے نتیجہ میں جو حکومت قائم ہوگی وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد۔

"افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے پرکھتا ہو"۔ (مطبوعہ ترجمان القرآن، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ صفحہ ۴۴۱)۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

"ان کے خیالات، نظریات اور طرز سیاست اور رنگ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جاسکتی۔ ان کا یہ حال ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے سے بڑے مسائل تک کسی معاملہ میں بھی انہیں قرآن کا نقطہ نظر نہ تو معلوم ہے اور نہ ہی اسے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں تو نور ہدایت صرف مغربی قوانین و دساتیر ہی میں ملتا ہے" (ایضاص ۴۷۳)

آپ کو معلوم ہے کہ یہ کس شخص کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ اسے چھوٹے سے چھوٹے مسائل تک میں بھی قرآن کا نقطہ نظر معلوم نہیں، اس شخص (قائداعظم) کے متعلق جس کی قرآن کریم کے حقائق پر غائر نگہی کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ جب وہ اگست ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد (دکن) گئے تو عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علموں نے ان سے کچھ سوالات پوچھے۔ سنئے کہ ان کے جوابات کیا تھے؟

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ

کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"۔

یہ تھا مخالفتوں کا وہ ہجوم جس میں یہ نحیف و نزار سامرد مجاہد، قوم سے ایک پیسہ لئے بغیر پاکستان کی چوکھی لڑائی تنہا لڑ رہا تھا اور اس کی مخالفت کی یہ کیفیت تھی کہ یہ لوگ سنجیدگی اور متانت کو بالائے طاق رکھ کر، بازاریت کی پست ترین سطح پر اتر آئے تھے۔ اس سطح پر ان کے طنز و استہزاء کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اس کا اندازہ، جماعت اسلامی کے ایک رکن رکین۔۔ نصراللہ خاں صاحب عزیز (جو آج کل ایشیاء کے مدیر ہیں) کے ایک صحافتی شاہکار سے لگائیے جو ان کے اخبار "کوثر" کی ۱۲ جنوری ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کا عنوان تھا

ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی

اور اس عنوان کے نیچے لکھا تھا۔

"اس زمانہ میں ہٹلر نے جرمنی میں اور مسولینی نے اٹلی میں ظہور کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی قوموں کو انہوں نے زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان رفعت پر بٹھا دیا۔ مسلمانوں نے دوسروں کو اس طرح کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے اشتہار کی عبارت بدل ڈالی۔ اب ان کی اخبار کے صفحات پر یہ مضمون نظر افروز تھا۔۔۔ "ضرورت ہے ایک ہٹلر اور مسولینی کی"۔۔۔ بالآخر، ان کی اشتہار بازی کامیاب ہوئی۔ اشتہار بازی کا اصول یہ ہے کہ اشتہار دیتے جاؤ، کسی نہ کسی روز تو گاہک پیدا ہوں گے۔ مہدی علیہ السلام سے لے کر مسولینی تک کی ضرورت کا جو اشتہار مسلسل ان کے جریدہ خیال میں نکل رہا تھا، آخر کار نتیجہ خیز ہوا اور مسٹر جناح نے اپنی درخواست قوم کے حضور میں گزران دی۔ قوم نے باقی سب امیدواران قیادت کو برخاست کر دیا۔ اور مسٹر جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا اور قائداعظم زندہ باد کی نعروں سے فضائے ہند معمور ہو گئی"۔ (بحوالہ جماعت اسلامی پر ایک نظر، صفحہ ۳۷)

یہ جنوری ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔ قائداعظم طنز و استہزاء اور تحقیر و تذلیل کے ان تیروں کو بھی اپنی سینے پر لیتے اور انتہائی ضبط و استقلال سے دل میں سمو لیتے تھے۔ انہیں اس کی فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ ان خاردار جھاڑیوں میں اپنا دامن الجھائیں وہ جس کے دامن پر اسلامیت کی کوئی چھینٹ بھی نظر نہیں آتی تھی، ان سر تا بقدم "اسلامی پیکروں" سے بہت اونچا تھا، وہ اپنی دھن میں مستانہ وار آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جوں جوں منزل قریب نظر آ رہی تھی، اس کے ذوق سفر میں اور تیزی اور تازگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسی جذب و انہماک سے اپنے بے سروسامان قافلہ کو لئے آگے بڑھتا گیا۔ تا آنکہ اگست ۱۹۴۷ء میں منزل نے خود آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے اور اس نے انگریز، ہندو اور خود مسلمانوں کے مزعومہ علمبردارانِ اسلام و شریعت کی مسلسل مخالفت کے علی الرغم، اپنے کاروں کو سرزمین پاکستان میں آن اتارا۔ اور اس طرح جس عمارت کی پہلی اینٹ سرسید کی نگہ دور رس نے رکھی تھی اور جس کی دیواریں اقبال کی قرآنی فکر نے اوپر اٹھائی تھیں، وہ قائداعظم کی بصیرت و کردار کے صدقے تکمیل تک پہنچ گئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

قائداعظم نے شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ایک خطہ زمین کا حصول، ہمارے لئے مقصود بالذات نہیں۔ یہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور وہ مقصد ہے اس خطہ زمین میں صحیح اسلامی مملکت کا قیام۔ چنانچہ انہوں نے اس خطہ زمین پر قدم رکھنے کے بعد اپنے رفقاء کو وضاحت سے سمجھا دیا کہ وہ کہیں اسی کو مقصود و منتہا سمجھ کر آرام سے نہ بیٹھ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں

"افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے پرکھتا ہو"

خالق دیناہل۔ کراچی میں عمال حکومت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا، بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور جہاں اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر روبہ عمل لائے جا سکیں"۔

جس عمارت کی پہلی اینٹ سرسید کی نگہ دور رس نے رکھی تھی اور جس کی دیواریں اقبال کی قرآنی فکر نے اوپر اٹھائی تھیں، وہ قائداعظم کی بصیرت و کردار کے صدقے تکمیل تک پہنچ گئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

اسلام کے عدل عمرانی کے وہ اصول کیا ہیں جنہیں بروئے کار لانے کے لئے قائداعظم کے الفاظ میں، اس مملکت کو حاصل کیا گیا تھا، اس کا جواب صاف اور واضح ہے۔ اسلامی نظام کا منتہیٰ یہ ہے کہ ہر فرد کی تمام مضمر صلاحیتوں کو نشوونما اس طرح ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں اور اس کے بعد کی زندگی میں اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ سب سے پہلے افراد مملکت کو ان کی بنیادی ضروریات زندگی کی طرف سے بے فکر کر دیتا ہے تاکہ وہ اطمینان سے بلند مقاصد زندگی کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ وہ تمام افراد کو اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری اور تمہاری اولاد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری لیتے ہیں" اس کا نام اسلام کا عدل عمرانی ہے۔

قائداعظم پاکستان میں اسلامی نظام زندگی متشکل کرنے کی تدابیر پر غور و فکر میں مصروف اور منہمک تھے کہ دیکھنے والے کیا دیکھتے ہیں کہ وہی لوگ جو مسلسل دس برس تک مطالبہ پاکستان کی اس شدت سے مخالفت کرتے رہے تھے، فوج در فوج پاکستان کی طرف امنڈے چلے آرہے ہیں۔ چشم عبرت حیران تھی کہ یہ حضرات اب کس منہ سے ادھر آرہے ہیں۔ خود قائداعظم بھی تعجب انگیز نگاہوں سے اس ریلے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی ان کی مخالفت کی آگ، ان کی دشنام طرازیوں کی بوچھاڑ، ان کے طنز اور استہزاء کے تیروں کی بارش، ایک ایک کر کے پردہ سیمیں کی طرح نگاہوں کے سامنے آرہی تھی۔ دنیا منتظر تھی کہ اب دیکھیں قائداعظم کی طرف سے ان کے تیر و سنان کا کیا جواب ملتا ہے۔ وہ پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔ وہ جس پر چاہتے، یہاں کا دروازہ بند کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایک بلند سیرت انسان کی طرح دل کی پوری کشادہ سے کام لیا اور جس طرح نبی اکرم نے مخالفین مکہ سے، جو فتح مکہ کے بعد پابجولاں سامنے کھڑے تھے۔ فرمایا تھا، ہاتھ کی پوری جنبش سے کہہ دیا کہ

آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں لا تثریب علیکم الیوم

جو یہاں آئے گا اسے امن حاصل ہو گا۔

انہوں نے اس وسعت ظرف کا ثبوت دیا، اگرچہ بعض کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ ان کی یہ کشادہ نگہی پاکستان کے حق میں اچھی ثابت نہیں ہو گی۔ جو لوگ ابھی واہگہ سے اس پار تک، پاکستان اور بانی پاکستان کو مسلسل گالیاں دے رہے تھے، وہ اس حد کو پار کرنے کے ساتھ کس طرح پاکستان کے بہی خواہ ہو سکتے ہیں۔ ایسا کہنے والوں کے سامنے قرآن کریم کا وہ فیصلہ بھی تھا جو اس نے ان اعراب (قبائلی بدوؤں) کے سلسلے میں دیا تھا، جو عمر بھر اسلام کی مخالفت کرتے رہے تھے، لیکن جب اسلام کا غلبہ ہو گیا تو وہ اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے اور اپنا شمار مومنین کی صف میں کرنے لگے۔ اس پر قرآن نے کہا تھا کہ

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (49:41)

یہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، ان سے کہہ دو کہ تم ایمان

نہیں لائے۔ تم صرف غلبہ اسلام کے سامنے جھک گئے ہو۔ ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا۔

بعد کے واقعات نے بتادیا.........اور اب تک بتاتے چلے جا رہے ہیں کہ جنہوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی تھی ان کے دل میں فی الواقعہ پاکستان کی محبت جاگزیں نہیں ہوئی۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ

کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو

یہاں رہنے میں انہیں اپنے مفاد نظر آتے ہیں، اس لئے وہ پاکستانی ہیں۔ اس کے خلاف انتقام کی چنگاریاں اب بھی ان کے سینوں میں سلگ رہی ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ

اس بغض و عداوت کے مظاہرے کبھی کبھی ان کی زبان سے ہو جاتے ہیں لیکن جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ قد بدت البغضاء من افواھم وما تخفی صدورھم اکبر (3 : 118)

معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظم کو مقدسین کی اس طائفہ کے عزائم کا علم تھا۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ مستقبل میں ان کی آئینی پوزیشن کیا ہونی چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براڈکاسٹ کیا جس میں واضح الفاظ میں بتادیا کہ پاکستان میں تھیا کریسی کبھی قائم نہیں ہوگی۔

لیکن قوم کی بدقسمتی (اور ان حضرات کی خوش بختی) کہ قائداعظم آئین پاکستان کے مرتب کرنے سے پہلے ہی دنیا سے چلے گئے اور ان کے بعد کوئی ایسا نہ رہا جو انہیں ان کی حدود کے اندر رکھتا۔ چنانچہ یہ کھل کر میدان میں آگئے۔ آپ کو یاد ہے کہ مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کے دوران کہا تھا کہ

"مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں یہ بات آج تک واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمح نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے"۔

اب انہی مودودی صاحب نے پاکستان کے عوام سے کہنا شروع کردیا کہ

"میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں جو کچھ آپ کو سمجھایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ پاکستان سے مقصود ایک ایسی حکومت کا قائم کرنا ہے جس کا نظام خدا کی پاک کتاب اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مبنی ہو اور تمام مسلمان اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ لیڈروں کے ذہن میں خواہ کچھ بھی ہو کم از کم زبانوں سے انہوں نے ہر اسٹیج اور ہر منبر پر کھڑے ہو کر یہی کہا تھا اور عام مسلمانوں نے ان کی انہی وعدوں اور ان کی ظاہر کردہ ارادوں پر یقین کر کے پاکستان کی تحریک میں ان کا ساتھ دیا تھا"۔ (دستوری سفارشات پر تنقید، صفحہ ۹)

یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہے کہ یہ حضرات یوم تشکیل پاکستان تک، پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت میں کس طرح ایڑی چوٹی تک کا زور لگاتے رہے۔ لیکن اب بلا جھجک یہ کہنا شروع کردیا کہ

"ہم نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کی کوشش کی تو اس لئے نہیں کہ دوسری قوموں کی طرح اس قوم کا بھی امتیازی وجود قائم رہے، بلکہ صرف اس لئے کہ یہ قوم دنیا میں حق کی شہادت ادا کرنے کے لئے زندہ رہے۔ ہم نے ایک آزاد مملکت کا قیام چاہا تو اس غرض سے نہیں کہ روئے زمین پر ایک اور ترکی یا ایک اور مصر یا ایران کا اضافہ ہو جائے، بلکہ اس غرض سے کہ ایک خالص اسلامی ریاست قائم ہو جو اسلامی نظام کا مکمل نمونہ دنیا کی سامنے پیش کرے" (ترجمان القرآن، ۱ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے یہ مربی و محسن، جو یہ کہہ رہے ہیں کہ "ہم نے مسلمانوں کے قومی تحفظ کے لئے اس قدر کوشش کی تھی" کون بزرگوار ہیں، یہ وہی حضرت ہیں جو تحریک پاکستان کے دوران میں اعلانیہ کہہ رہے تھے کہ "اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی (جیسا کہ ترکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں) تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق

ہی کیا ہے"۔

(سیاسی کشمکش بابت ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ، صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ ترجمان القرآن)

یہ ہیں وہ جو آج دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے قومی وجود کا تحفظ کیا تھا۔ باقی رہا ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے ایک آزاد مملکت کا قیام چاہا تو اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ حضرات اپنے احسانات کا بدلہ قوم سے کیا مانگتے ہیں؟ یہ کہ پاکستان کا اقتدار ان کے سپرد کر دو، تاکہ یہ اس میں اپنی مرضی کے مطابق "اسلامی نظام" قائم کر سکیں۔ اس اسلامی نظام میں قوم کا حشر کیا ہو گا، یہ بھی سنتے جائیے۔ مودودی صاحب اپنے رسالہ "مرتد کی سزا" صفحہ ۸۰ میں لکھتے ہیں

"جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رونما ہو، وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف رہنا چاہتے ہیں۔ وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں، مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام میں انہیں مجبور کیا جائے گا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

اور ظاہر ہے کہ اس بات کا فیصلہ کہ فلاں شخص نے دائرہ اسلام سے قدم باہر رکھ دیا ہے، یہی حضرات کریں گے۔

یہ ہے برادران عزیز، وہ پاکستان جو سرسید کے اخلاص و جہاد، اقبال کی آہ سحر گاہی و نالہ نیم شبی اور جناح کی بصیرت و کردار سے قریب اسی (۸۰) سال کی محنت شاقہ سے تعمیر ہوا اور یہ ہیں وہ لوگ جو آج اس کے دعویدار ہیں۔۔۔ وہ لوگ جو قوم کے ان غم گساروں اور محسنوں کو کافر بناتے اور گالیاں دیتے رہے اور جنہوں نے پاکستان کی مخالفت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ کس قدر دور رس تھی نگاہ اس مرد قلندر کی جب اس نے کہا تھا کہ

زاغوں کے تصرف میں ہے شاہیں کا نشیمن

لیکن اس میں عزیزان من، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مشیت کے جس پروگرام نے سرسید، اقبال اور جناح جیسی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے تسلسل میں پیدا کر دیا تاکہ وہ اس قوم کو جسے اغیار کی ریشہ دوانیاں اور اپنوں کی غداریاں مٹا دینے یا ثانوی درجہ بنا دینے کا تہیہ کر چکی تھیں، ایک عظیم مملکت کا وارث بنا دے۔ وہی پروگرام اب یہ انتظام بھی کرے گا کہ یہ متاع ملی ہر رہزن کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ اب پھر سیمرغ پیدا ہو گا جو اپنی شعلہ نوائی سے، اس نشید جانفزا کو فضائے کائنات میں عام کر دے گا کہ باطل کی قوتیں سرنگوں ہوں گی اور اس خطہ پاک میں ایک بار پھر وہی قرآنی نظام جلوہ بار ہو گا جو چودہ سو سال پہلے، سرزمین حجاز میں وجہ بالید گی شرف انسانیت ہوا تھا اور جس نے ملوکیت، مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری کی ہر اس زنجیر کو توڑ کر رکھ دیا تھا جس میں نوع انسان صدیوں سے جکڑی چلی آ رہی تھی۔ سرسید، اقبال اور جناح کی بے صوت صدائیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سی آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی، آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

ولو کرہ المشرکون

اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ اس خطہ زمین کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ اگر (خدانہ کردہ) یہ خطہ زمین ہی نہ رہا تو اسلامی مملکت قائم کہاں ہو گی اور اس کے ساتھ ساتھ اس مقصد کو عام کیا جائے جس کے لئے یہ خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ جس قدر یہ خیال عام ہو گا اسی قدر اس مقصد کے حصول کے امکانات زیادہ روشن ہوں گے۔ ● ● ●

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویز کے افکار پر ایک نظر

بشیر عابد ۔ کویت۔

کچھ عرصہ پہلے روزنامہ پاکستان کی ایک اشاعت (۱۱ نومبر ۱۹۹۷ء) میں الطاف جاوید صاحب کا مضمون بعنوان "غلام احمد پرویز کے افکار پر ایک نظر" پڑھا۔ فاضل مضمون نگار نے پرویز صاحب کے افکار و نظریات کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں کئی باتیں ایسی ہیں جو آپ کے افکار کی صحیح ترجمانی نہیں کرتیں۔ مثلاً موصوف لکھتے ہیں کہ

"محترم پرویز صاحب نے بڑی محنت سے سوشلسٹ معیشت کا قرآن کی اساس پر اثبات کیا اور اسلام کی روشن توجیہہ سے ایک گرانقدر لٹریچر تخلیق کیا"۔ میں قرآن کریم کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں اور محترم پرویز صاحب کی تصانیف کا عرصہ دراز سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ آپ نے قرآن کریم کی تعلیم و تدریس میں زندگی کا ایک طویل عرصہ صرف کیا ہے اور اس کتاب عظیم کو ہمیشہ خالی الذہن ہو کر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن کے علاوہ آپ کسی بھی فلسفہ حیات یا نظام فکر سے متاثر نہیں تھے اور آپ نے کبھی بھی اس کتاب عظیم کے ساتھ کسی دوسری فکر یا فلسفہ کا اثبات نہیں کیا۔ قرآن کریم خود اس قدر سلیس و واضح ہے کہ اس کے مطالب و مفاہیم سمجھانے کے لیے کسی خارجی سہارے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یایھا الناس قد جاکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا" (4/175)

اے نوع انسان، تمہارے پاس، تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے واضح دلائل آ گئے۔ یعنی اس نے تمہاری طرف ایک ایسا ضابطہ ہدایت بھیج دیا ہے جو روشن ہے۔ اور ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔ (النساء۔ آیت ۱۷۵)

روشنی کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے تعارف اور نمود کے لئے دوسری روشنی کی محتاج نہیں ہوتی۔ روشن چراغ کو دوسری دیئے کی روشنی سے تلاش نہیں کیا جاتا۔ اس کی اپنی روشنی دیکھنے والے کو خود بخود اپنی طرف لے آتی ہے۔ نیز، وہ ہر شے کا صحیح صحیح مقام متعین کر دیتی ہے اور بتا دیتی ہے کہ وہ کیا ہے؟ یہی کیفیت قرآن کی ہے۔ پرویز صاحب نے قرآن کو بعینہٖ اسی طرح پیش کیا جیسا کہ محاورہ عرب اور تصریف آیات کا تقاضا تھا اور یہ طریق خود قرآن کا تجویز کردہ ہے۔ آپ نے اپنی طرف سے قرآن کی کوئی تعبیر یا تشریح بیان نہیں کی۔ آپ اسے شرک سمجھتے تھے اور ہمیشہ اس سے پاک رہے۔ اس باب میں آپ کو جو محنت و کاوش کرنی پڑی وہ یہ تھی کہ قرآن کریم پر صدیوں سے پڑے ہوئے باطل عقائد و نظریات کے پردوں کو آپ نے اٹھا دیا اور یہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ تھا کیونکہ باطل عقائد و نظریات قرآن کریم کو سمجھنے کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ عقائد و نظریات امت کے قلب و دماغ میں اس قدر راسخ ہو چکے ہیں کی وہ انہیں جزو ایمان سمجھتی ہے اور انہی کے مطابق عمل کرتی ہے۔

غلط عمل کا نتیجہ بھی چونکہ غلط نکلتا ہے۔ لہٰذا باوجود کوشش کے امت قرآن کریم کی فیض رسانیوں سے محروم چلی آرہی ہے اور اس پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہو چکا ہے۔ اب اس عذاب سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ امت ہر طرح کے باطل عقائد و نظریات کو چھوڑ کر قرآن کریم کی صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ محترم پرویز صاحب عمر بھر باطل عقائد و نظریات کے خلاف جنگ کرتے رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے وسیع مطالعہ کیا اور اپنی ہر بات کہ دلائل و براہین کی رو سے پیش کیا۔

آپ کی اس محنت شاقہ کے نتیجہ میں قرآنی حقائق موتیوں کی طرح نکھر کر سامنے آگئے۔ ان حقائق کی روشنی میں اسلام کا جو نقشہ ابھرتا ہے اس کے خدوخال مروجہ اسلام سے قطعاً مختلف نظر آتے ہیں۔ قرآن کے مطابق ایک مسلمان ایثار و قربانی اور رحمت و شفقت کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہے۔ خود بھوکا رہتا ہے انہیں کھلاتا ہے اور ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنا فرض سمجھ کر کر رہا ہوں، تم سے نہ تو اجر مانگتا ہوں اور نہ شکریے کا متمنی ہوں۔ اس کے برعکس مروجہ اسلام کے مطابق مسلمان جس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ وسیع و عریض جاگیروں کے مالک ہیں، تجوریاں اور بنک روپوں سے بھرے پڑے۔ آنکھوں کے سامنے مسلمان غربت اور افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں لیکن کسی کو ان کی پرواہ نہیں۔ باہمی رحمت و شفقت کی یہ کیفیت ہے کہ مسلمان کا خون مسلمان کے ہاتھوں مساجد میں بھی ہو رہا ہے لیکن اس تمام تر بے حسی اور بے مروتی کے علی الرغم مروجہ اسلام کی رو سے اگر ایک مسلمان ارکان دین کا پابند ہے تو اسے مورد الزام نہیں ٹھیرایا جاتا۔ اس نے خواہ کتنی ہی دولت کیوں نہ جمع کر رکھی ہو اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا اور معاشرے کی زبوں حالی اور بدامنی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔ مذہبی پیشوائیت نے عامۃ الناس کو اس زعم میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ان کی یہ روش زندگی قرآن و سنت کے عین مطابق ہے جبکہ یہ صحیح نہیں ہے قرآن و سنت کی تعلیمات اس کی قطعی اجازت نہیں دیتیں کہ ایک طرف تو لوگ دو وقت کی روٹی کو ترسیں اور دوسری طرف معاشرے کی ساری دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر اکھٹی ہو جائے۔ سارے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملتی جو مال و دولت اکٹھا کرنے پر دلالت کرتی ہو۔ ہر جگہ مال خرچ کرنے کا ہی حکم ملتا ہے۔ اسی طرح سیرت نبویؐ سے بھی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ معلوم نہیں آج مسلمان کس خدا کی اطاعت اور کس رسول کی پیروی کر رہے ہیں جس نے انہیں اس قدر خود غرض اور نفس پرست بنا دیا ہے۔ محترم پرویز صاحب عمر بھر اس افسوسناک روش زندگی کے خلاف برسرپیکار رہے آپ لوگوں کو خالص قرآن اور خالص سنت نبوی کی طرف دعوت دیتے تھے یہ چیز مفاد پرست طبقات پر بڑی گراں گزرتی اور اس کے جواب میں پرویز صاحب پر الزامات اور تہمتوں کی بوچھاڑ کر دی جاتی۔ محولہ بالا مضمون میں فاضل مضمون

نگار نے جن الزامات کا ذکر کیا ہے وہ اسی ردّ عمل کا نتیجہ ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ "محترم پرویز صاحب نے بڑی محنت سے سوشلسٹ معیشت کا قرآن کی اساس پر اثبات کیا اور اسلام کی روشن توجیہ سے گرانقدر لٹریچر

تخلیق کیا۔" سوشلزم کو پرویز صاحب یا قرآن کی طرف منسوب کرنا دن کو رات کہنے کے مترادف ہے۔ اس ضمن میں خود پرویز صاحب کی کتاب سے ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا جو اس موضوع پر پرویز صاحب کے نقطہ نظر کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ آپ اپنی شہرہ آفاق کتاب "نظام ربوبیت" میں رقم طراز ہیں۔

" کمیونزم یا سوشلزم ایک معاشی نظام ہی نہیں وہ ایک فلسفہ حیات ہے جو ان بنیادوں پر قائم ہے جو قرآنی تصور حیات سے یکسر متضاد ہیں۔ قرآنی تصور حیات کی وجہ سے یہ کائنات ایک حکیم و خبیر ہستی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے غیر متبدل قوانین کے تابع چل رہی ہے۔ اس کی تخلیق ایک عظیم مقصد کو لئے ہوئے ہے۔ انسانوں کی تخلیق بھی اسی خدا کے پروگرام کے مطابق عمل میں آئی ہے۔ اس نے انسانی زندگی کو اس کی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اپنی طرف سے راہ نمائی کی ہے جسے وحی کہا جاتا ہے۔ یہ وحی ان مستقل غیر متبدل قوانین پر مشتمل ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے بطور ضابطہ حیات کام کرتے ہیں۔ اس ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس زندگی کی خوشگواریاں بھی نصیب ہوتی ہیں اور وہ اس قابل بھی ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جائے۔ جو معاشرہ اس ضابطہ حیات کے مطابق متشکل ہوتا ہے اسے قرآنی نظام کا حامل کہا جاتا ہے۔ اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے اور تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہوتی چلی جائے۔ اس نظام میں یہ کچھ نہ میکانیکی طور پر رونما ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کے جبر و تشدد سے پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ چیز اس معاشرہ کے افراد کے دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ان کے ذہن کی کاوشوں سے نشوونما پاتی اور ان کے بازوؤں کی قوت سے پروان چڑھتی ہے۔ اس لئے کہ ان افراد کا ایمان ہوتا ہے کہ خدا کے قانون مکافات کی رو سے دنیا میں کوئی عمل حتی کہ کوئی خیال تک بھی بلا نتیجہ نہیں رہتا۔ انسانوں کا ہر عمل اور ارادہ جو وحی خداوندی سے ہم آہنگ ہوتا ہے وہ فرد اور معاشرہ دونوں کے لئے خوشگوار نتائج پیدا کرتا ہے اور اسی میں شرف انسانیت کی تکمیل کا راز پوشیدہ ہے اور ہر وہ کام جو ان اقدار کے خلاف سرزد ہو اس سے مقام انسانیت چھین لینے کا موجب بنتا ہے۔ اس نظام میں ہر فرد پوری محنت سے کام کرتا ہے اور اپنے لئے صرف اتنا لیتا ہے جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ باقی سب کچھ اپنے دل کی پوری رضامندی کے ساتھ نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کے لئے کھلا چھوڑ دیتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ اس سے اس کی اپنی ذات کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ ابدی مسرتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس طرح اس معاشرہ میں نہ فاضل دولت کسی کے پاس رہتی ہے اور نہ ہی پیداوار کے ذرائع پر ذاتی ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے ان میں اور کمیونزم میں کوئی قدر بھی مشترک ہے؟ کمیونزم نہ خدا کی قائل ہے، نہ کائنات اور انسانی زندگی کے کسی مقصد کی، نہ وحی کو مانتی ہے، نہ مستقل اقدار کو، نہ وہ انسانی ذات کی قائل ہے، نہ مرنے کے بعد زندگی کے تسلسل کی نہ وہ قانون مکافات کو تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی اس کے غیر متبدل اصولوں کو۔ آپ سوچئے کہ ایک ایسے نظام زندگی کو جو ان تمام اقدار کے انکار پر مبنی ہو، اسلام سے کوئی تعلق بھی ہو سکتا ہے؟ کمیونزم اور اسلام دو متضاد عناصر ہیں جو کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کمیونزم میں بھی ذاتی ملکیت کی نفی ہوتی ہے لیکن کمیونزم جیسا خلاف اسلام تصور حیات، اسلام تو نہیں بن سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہہ دے کہ آریہ سماجی بت شکنی کی تعلیم دیتے ہیں اور اسلام بھی بتوں کی پرستش سے روکتا ہے۔ اس لئے اسلام اور آریہ سماجی مذہب دونوں ایک ہی ہیں۔"

(نظام ربوبیت از پرویز صفحہ ۲۳)

اس اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پرویز صاحب کے نزدیک اسلام کا تصور حیات کس قدر واضح تھا۔ قرآن کریم جو معاشی

نظریات پیش کرتا ہے ان کا موازنہ سوشلزم یا کسی دوسرے ازم سے نہیں کرنا چاہیے۔ فاضل مضمون نگار نے پرویز صاحب کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ آپ نے نماز روزہ جیسے ارکان میں امت کے تعامل کو نظر انداز کر دیا اور امت کے سواد اعظم کے دھارے سے الگ ہو گئے۔ یہ الزام بھی قطعی بے بنیاد ہے۔ پرویز صاحب نے نہ تو ارکان دین کو نظر انداز کیا اور نہ ہی اپنے آپ کو امت کے سواد اعظم سے الگ سمجھا۔ آپ زندگی بھر صوم و صلوۃ کے پابند رہے اور ان ارکان دین کو اسی طرح ادا کرتے جس طرح امت کی اکثریت ادا کرتی ہے۔ آپ نے نہ کوئی نماز ایجاد کی اور نہ ہی اپنی الگ مسجد بنائی۔ آپ کا تنظیم لٹریچر اس حقیقت پر شاہد ہے۔ آپ کی تحریریں ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ سینکڑوں آڈیو، ویڈیو کیسٹس پر ریکارڈ شدہ دروس قرآن کریم اور تقاریر بھی موجود ہیں۔ ان میں ایک لفظ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے ظاہر ہو کہ آپ نے ارکان دین میں امت کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ آپ خود بھی پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ اسی طرح رمضان شریف کے پورے روزے رکھتے تھے خواہ وہ انتیس ہوں یا تیس۔ آپ ارکان دین کو وحدت اور یگانگت کی علامت سمجھتے تھے اور جس کسی نے بھی سواد اعظم سے اختلاف کیا آپ نے اس کی مذمت کی۔ پرویز صاحب کے بارے میں ایسی من گھڑت باتیں کہنا سراسر زیادتی ہے طلوع اسلام کنونشن کے دوران نماز باجماعت کا اہتمام اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس میں مختلف مکاتب فکر کے لوگ ہوتے ہیں اور ان سب کو ایک امام کے پیچھے نماز پڑھانا عملاً محال ہوتا ہے۔ طلوع اسلام قومی تحریک ہے اور اس میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اس میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی اور سنیوں میں بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث بھی۔ ان سب کا نماز پڑھنے کا اپنا اپنا مسلک ہے۔ لہذا، کنونشن ہو یا جلسہ گاہ ہو یا قیام گاہ، بوقت اذان نماز کے وقفے کا اعلان کر دیا جاتا ہے تاکہ لوگ قریبی مساجد میں جا کر نماز ادا کر سکیں۔ طلوع اسلام ہر مکتبہ فکر کے عقائد و نظریات کا احترام کرتا ہے۔ اس کا نصب العین منفعت انسانی ہے جو شخص بھی نوع انسانی کے مفاد میں کام کرتا ہے طلوع اسلام اسے اپنا ساتھی سمجھتا ہے۔ قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم تمام نوع انسانی کے مفاد کے لئے کام کریں۔ اسی بنا پر وہ ہمیں بہترین امت قرار دیتا ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكوتومنون بالله (3/109)

اے جماعت مومنین، تمہیں جس مقصد کے لئے کھڑا کیا ہے وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسا نظام قائم کرو جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم ان باتوں کا حکم دو جسے قرآن صحیح تسلیم کرتا ہے اور ان سے روکو جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں لیکن تم دوسروں سے یہ کچھ اسی صورت میں کہہ سکتے ہو جب تم خود ان قوانین کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھو۔۔۔ (آل عمران - آیت ۱۰۹)

فاضل مضمون نگار مزید لکھتے ہیں کہ "پرویز صاحب نے نہ صرف علمی طور پر ذرائع پیداوار پر قابض طبقہ کے خلاف کوئی سیاسی تحریک پیش کی بلکہ اپنی تحریروں میں جاگیرداروں، کارخانہ داروں، کانوں اور پٹرول کے چشموں پر قابض اور بڑے تاجروں کا ذکر تک نہیں کیا۔ نہ ہی استحصالی ہتھکنڈوں کا تجزیہ کیا ہے کہ ایک کارخانے سے دس کارخانے کیسے وجود میں آجاتے ہیں جب کہ ان میں کام کرنے والے مزدوروں کا ایک کارخانہ نہیں بنتا۔ انہوں نے مترفین، متکبرین اور الملاء کے طبقہ پر کبھی تنقید نہیں کی۔" میرے نزدیک پرویز صاحب کے بارے میں اس طرح کا نقطہ نظر رکھنا سراسر حقائق سے روگردانی ہے۔ سرمایہ دار، محنت کش اور استحصالی نظام کے ضمن میں جتنا وسیع لٹریچر پرویز صاحب نے تخلیق کیا ہے شاید ہی کسی دوسرے سکالر نے کیا ہو۔ آپ کی شہرہ آفاق کتب "نظام ربوبیت" اور "خدا اور سرمایہ دار" اس کا بین

ثبوت ہیں۔ اگر کسی نے صرف ان دو کتب کا مطالعہ کر رکھا ہو تو کبھی بھی آپ پر مندرجہ بالا الزامات عائد نہیں کرے گا۔ پرویز صاحب قرآنی نظام کے علمبردار تھے۔ اور ہر اس نظام کو جو قرآن کریم کی اقدار و اصول پر قائم نہ ہو اسے استحصالی نظام سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ قرآنی نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ استحصالی نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے۔ وہ استحصالی نظام کی مثال کعبہ کے بتوں سے دیا کرتے تھے کہ خدا کعبہ میں داخل نہیں ہوتا جب تک اسے بتوں سے پاک نہ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث ہوئے سب نے استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند کی۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اکرام مذہبی پیشوائیت کی مانند مناظروں اور مباحثوں میں نہیں پڑا کرتے تھے۔ وہ نظام وقت کو چیلنج کیا کرتے تھے جو ظلم و استبداد پر مبنی ہوتا تھا۔ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر استحصالی قوتوں کا مقابلہ کرتے اور ان کے شکنجوں سے محنت کشوں کو آزاد کرواتے ان کا یہی نصب العین ہوتا تھا۔

جہاں کہیں بھی کسی کی گردن جکڑی دیکھی اسے اس سے آزاد کرایا۔ (البلد۔ آیت ۱۳)

تا کہ کوئی انسان کسی دوسرے کا محکوم، مطیع اور زیر دست نہ رہے، ہر ایک گردن اٹھا کر چل سکے۔ ہر ایک کو جسمانی، ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو۔ اس پر خدا کے قانون کے سوا کسی کی پابندی نہ ہو۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ پرویز صاحب نے استحصالی طبقات کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔ یہ درست ہے کہ آپ نے اپنی تحریروں میں کسی خاص فرد یا ادارے کا نام نہیں لیا۔ نہ ہی ایسا لٹریچر تخلیق کیا جو اشتعال انگیزی اور جذباتیت کا سبب بنے کیونکہ یہ قرآن کریم کی تعلیمات کے منافی ہے۔ قرآن فساد کو فساد برپا کر کے ختم کرنا نہیں چاہتا بلکہ حق کو حق کے ذریعے قائم کرنا چاہتا ہے۔ قرآن قوانین کی بالادستی چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ قلب و نگاہ میں تبدیلی پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک خارجی تبدیلی نفس کی داخلی تبدیلی کا مظہر ہوتی ہے

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر و مابا نفسھم (13/11)

خدا اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی قلب و نگاہ میں تبدیلی پیدا نہ کرے (الرعد۔ آیت ۱۱) قلب و نگاہ میں تبدیلی تعلیم کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ قرآنی نظام کے داعی اول، نبی اکرمؐ نے پہلے قوم کی تعلیم و تربیت فرمائی اور اس کے ساتھ ان کے معاشرے میں بھی انقلاب آ گیا۔ آپ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے

ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمہ (62/2)

وہ ان کی تطہیر فکر و نظر کرتا ہے، انہیں قانون خداوندی کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ اس قانون کی غرض و غایت کیا ہے یہ کن محکم بنیادوں پر استوار ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے نتائج کیا ہونگے۔ (الجمعہ۔ آیت ۲)۔

جس طرح قرآن کے اصول و اقدار دنیا کے ہر نظام سے اعلیٰ ہیں اسی طرح اس نظام کو قائم کرنے کے لئے جو انقلاب برپا کیا جاتا ہے اس کا طریقہ بھی باقی انقلابات سے مختلف اور پر وقار ہے۔ قرآنی نظام کا داعی ضرورت مندوں کو آواز نہیں دیتا کہ آؤ اور سرمایہ داروں کو لوٹ لو۔ وہ ان لوگوں کو آواز دیتا ہے جن کے پاس دینے کے لئے فالتو ہوتا ہے کہ آؤ اور ایک ایسا نظام قائم کرو جس میں تمہارا فالتو رزق دوسروں کی نشوونما کے کام آئے۔ آپ قرآن میں دیکھیں ہر مقام پر اسی طبقہ کو دعوت انقلاب دی گئی ہے۔ انہی سے کہا گیا ہے کہ تم نے ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں تم نے پوری پوری محنت کرنی ہے اور پھر اس محنت کی کمائی میں سے جتنا فالتو ہوگا وہ سب کا سب دوسروں کو دے دینا ہوگا۔ وہ دینے والوں کو آواز دیتا ہے اور انہی کے ہاتھوں اس نظام کی بنیاد رکھتا ہے۔ وہ لینے والوں کو آواز نہیں دیتا۔ آپ قرآن کے پہلے ورق پر دیکھئے اس نظام کا آغاز ان لوگوں سے ہوتا ہے جن کا وصف یہ ہوتا ہے کہ مما رزقنھم ینفقون (2/2)

وہ ان پر کوئی استبداد نہیں کرتا۔ انہیں کسی قسم کے جبر و اکراہ سے اس نظام کے قیام پر مجبور نہیں کرتا۔ وہ ان کے سامنے زندگی کا وہ حقیقی تصور پیش کر دیتا ہے۔ جس کے سمجھ لینے کے بعد وہ از خود اپنا سب کچھ دے کر اس نظام کے قیام کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی چشم بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں کہ زندگی کا راز دینے میں ہے لینے میں نہیں

الذی یوتی مالہ یتزکی (92/18)

وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اس نظام کے اندر قدم رکھتے ہیں اور پھر زیادہ سے زیادہ محنت کرتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ دے سکنے کے قابل ہو جائیں اور اس طرح زندگی کی خوشگواریوں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ یاب ہو سکیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس آواز پر ضرورت مند طبقہ بھی لبیک کہتا ہے بلکہ سب سے پہلے وہ اس طرف آتا ہے لیکن وہ اس طرف اس لئے نہیں آتا کہ دولت لوٹی جائے۔ وہ اس لئے آتا ہے کہ غلط نظام کو مٹایا جائے خواہ اس راہ میں انہیں کتنی بھی تکالیف کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔ حتی کہ انہیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں اپنی زندگی کا راز سمجھتے ہیں۔ یہ ہے وہ طریق جس سے قرآنی انقلاب پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ انقلاب دراصل دل کی دنیا میں پیدا کیا جاتا ہے اور انقلاب نام ہی دل کی تبدیلی کا ہے یہ لفظ قلب سے مشتق ہے۔ باہر کا انقلاب اس اندرونی انقلاب کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انقلاب کے پیدا کرنے میں اس قدر محنت و مشقت درکار ہوتی ہے۔ کمیونزم یا سوشلزم کے فلسفہ حیات میں مستقل اقدار میں یا غیر متبدل اصولوں کی پابندی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ وہ اپنے نظام کو نافذ کرنے کے لئے جو طریق بھی چاہے اختیار کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک طریق کار کے جائز ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ جو طریق بھی حصول مقصد کے لئے ممد و معاون ہو، وہ ان کے ہاں جائز قرار پاتا ہے۔ لوٹ مار قتل و غارت گری، دنگا فساد اور اس کے ساتھ جھوٹ، مکاری، عیاری، فریب، سازش وغیرہ نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن طریق کار ہیں۔ لیکن قرآن کی علمبردار جماعت کبھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جو قرآن کی رو سے باطل ہو۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری، خلفشار، انتشار وغیرہ قرآن کے نزدیک سخت مذموم اور جھوٹ، فریب، مکاری، عیاری، بدنیتی بدترین جرائم ہیں وہ اس طریق کار کو فساد قرار دیتا ہے اور مفسدین اس کے نزدیک بدترین خلائق ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک نظام میں کوئی صحیح تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اس تبدیلی کی متمنی جماعت کے افراد کے قلب و نگاہ میں قرآنی اقدار کے مطابق تبدیلی پیدا نہ ہو۔ اسی تبدیلی کا نام ایمان ہے۔ قلب و نگاہ میں اس قسم کی تبدیلی کا کام بڑا صبر آزما ہوتا ہے اور کافی وقت کا متقاضی بھی۔ جذباتیت کے شکار سطح بین حضرات اسے بے عملی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس جماعت پر طعن و ملامت کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن قرآنی جماعت نہ تو اس قسم کے طعنوں سے متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی کسی مصلحت کی خاطر اپنا راستہ بدلنے کے لئے تیار۔ وہ ایسا کوئی حربہ استعمال نہیں کرتی جسے قرآن فساد قرار دیتا ہے۔ بقول پرویز صاحب "میں قرآن کریم کا ایک ادنی سا طالب علم ہوں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میرا فریضہ زندگی ہے۔ میں جہاں قرآن کے تجویز فرمودہ نظام حیات کی تبلیغ کرتا ہوں، اس کے ساتھ اس کے بتائے ہوئے طریق کار پر بھی زور دیتا چلا آ رہا ہوں یہ میری دعوت ہے جس پر خود بھی کاربند ہوں اور دوسروں کو بھی کاربند رہنے کی تلقین کرتا ہوں اور چونکہ مجھے قرآن کی اس رہنمائی پر یقین محکم ہے اس لئے میں کسی خارجی اثر کے ماتحت اس سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں رہنا چاہتا۔ (نظام ربوبیت صفحہ ۳۱۷)

شریف میں حدیث موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اختلاف سے بچو پہلی امتیں بھی اختلاف کی وجہ سے تباہ ہوئیں تھیں

علاوہ ازیں ایک اور حدیث بھی فرقہ سازی کے جواز میں پیش کی جاتی ہے کہ حضور نے فرمایا میرے امت بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائے گی ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے۔ قرآن میں تو فرقہ بندی کی زبردست ممانعت ہے پھر امت مسلمہ ایسا کیوں کریگی؟ کیا نبی پاک نے "نعوذباللہ" اپنی زندگی ہی میں اپنے مشن کی ناکامی کا اعتراف کر لیا تھا کہ اگرچہ میں نے اور اللہ تعالیٰ کے قرآن نے لوگوں کو تفرقہ سے روکا ہے مگر ہمیں اعتراف ہے کہ میری امت بنی اسرائیل سے بھی بڑھ کر تفرقہ باز ہو گی۔ علمائے حدیث نے احادیث کے بارے میں جو اصول اپنائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس سے حضورؐ پاک کی ذات پر حرف نہ آئے اگر اس حدیث کو جواز فرقہ بندی میں حکم رسول کا درجہ دیا جائے تو دونوں نقص لازم آتے ہیں فلہذا یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ شیخ الحدیث ابن الجوزی بھی اسے غلط قرار دیتے ہیں فرقہ پسند طبیعتیں جب ہر طرف سے مجبور و مایوس ہو جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے۔ جناب یہ صدیوں کا اختلاف ہے اس کا خاتمہ ناممکن ہے اس سے بڑا افتراق پھیلے گا تو عرض ہے کہ پہلے کونسا کم انتشار ہے جو ان فرقوں کی بدولت نہیں کہ اب ان کے خاتمہ کی کوشش سے پھیلے گا۔ یہ صرف فرار کی باتیں ہیں اور عذر گناہ والا معاملہ ہے ورنہ ان فرقوں کا خاتمہ کیونکر ممکن نہیں اندریں بارے کوئی لمبی چوڑی تجاویز نہیں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ۔

جو ہو آج بھی ابراہیم کا سا ایمان پیدا
آگ آج بھی کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

ختم نبوت فنڈ کا قیام

طلوع اسلام عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم نبوت کا اعلان دراصل نوع انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ انسانی اختیار و ارادہ پر جس قدر پابندیاں عاید کرنی مقصود تھیں ان سب کی صراحت قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ اور اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت نوع انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے کیونکہ اس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی معرکہ آراء تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں اس موضوع پر نہایت مدلل اور پرمغز بحث کی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ادارہ طلوع اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کر کے مفت تقسیم کیا جائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں اور دوسرے یہ کہ عقیدہ ختم نبوت سے متعلق طلوع اسلام کے نقطہ نظر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کی وضاحت ہو جائے۔ اس کام کے لئے بہت ساری رقم درکار ہے جو کہ تحریک طلوع اسلام کی مالی استطاعت سے باہر ہے۔ لہٰذا ختم نبوت کے نام سے فنڈ قائم کیا گیا ہے اور طلوع اسلام کے تمام کرم فرماؤں سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سر انجام دیا جا سکے۔ آپ اپنے عطیات ادارہ طلوع اسلام یا طلوع اسلام ٹرسٹ ختم نبوت فنڈ کے اکاونٹ میں بھجوائیں۔ تحریک آپ کے تعاون کے لئے ممنون رہے گی۔

سائنس و ٹیکنالوجی

ڈاکٹر ابراہیم سید (بی۔ایچ۔ڈی)

انسانی کلوننگ سے متعلق اسلامی نقطہ نظر

یہ فروری ۱۹۹۷ء کی بات ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے ایک ماہر حیاتیات ڈاکٹر ویلمٹ نے کلوننگ ٹیکنیک کے ذریعے بھیڑ کا بچہ پیدا کیا۔ کلوننگ افزائش نسل کا جدید طریقہ ہے، جس میں بچہ بغیر جنسی اختلاط کے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ پودوں کی افزائش نسل کیلئے اس ٹیکنیک کو کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔ لیکن جانوروں کے سلسلے میں یہ پہلی کامیابی تھی جو سینکڑوں تجربات کی ناکامی کے بعد ممکن ہوئی۔ اس ٹیکنیک کی کامیابی نے دنیا کو چونکا دیا اور دنیا کے مختلف ممالک میں سائنسدان اور اہل دانش اپنے اپنے خدشات کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں اہم خدشہ انسانی کلوننگ سے متعلق تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جانوروں کی کلوننگ کے بعد اب وہ وقت دور نہیں جب انسانوں کی کلوننگ بھی شروع ہوجائے گی۔ ڈاکٹر ویلمٹ نے اپنی نئی تخلیق کا نام "ڈولی" (DOLLY) رکھا تھا۔ ڈولی اپنی پیدائش کے وقت سے ہی دنیا بھر میں ہدف تنقید بن گئی بعض نے اسے انسانیت کے لیئے منحوس قرار دیا اور بعض نے اسے نیک فال قرار دیا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ جب تک اس ٹیکنیک کے جملہ پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جاتا اور یہ معلوم نہیں کر لیا جاتا کہ یہ کس حد تک محفوظ اور انسانوں کے لئے منفعت بخش ہے تب تک اس پر پابندی عاید کر دی جائے۔ اس کے بعد اس موضوع پر جو گرما گرم بحثیں ہو رہی تھیں وہ ٹھنڈی پڑ گئیں۔ لیکن جنوری ۱۹۹۸ء کے وسط میں ایک امریکی سائنسدان ڈاکٹر رچرڈ سیڈ نے اعلان کیا کہ وہ عنقریب انسانی کلوننگ شروع کر رہا ہے۔

اس خبر نے دنیا بھر میں سنسنی پھیلادی اور ایک بار پھر یہ موضوع زبان زد عام ہو گیا ہے۔ سائنسی حلقوں نے بھی اعتراض کیا اور مذہبی حلقوں نے بھی اس کی شدید مخالفت کی۔ پاکستان میں بھی علماء نے اس کے خلاف جلسے کئے اور جلوس نکالے۔ حکومت پاکستان کو کہا کہ وہ امریکہ پر دباؤ ڈالے اور کلوننگ پر پابندی عاید کرنے کا مطالبہ کرے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ خدائی اختیار میں دخل اندازی ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ مزید یہ کہ یہ عمل فطری تقاضوں کے خلاف اور انسانی معاشرے کو تباہ کرنے کی سیکولر مغربی تہذیب کی ایک مذموم سازش ہے لیکن ڈاکٹر رچرڈ سیڈ اس مخالفت کے باوجود اپنے ارادے پر قائم ہے اور بقول اس کے وہ ڈیڑھ سال کے اندر اندر شکاگو میں پہلا کلوننگ کلینک قائم کر دے گا جہاں سائنسدان بانجھ جوڑوں کو کلون شدہ بچے دینا شروع کر دیں گے۔ اگر یہ منصوبہ کامیاب رہا تو پھر ایسے کلینکس امریکہ کے دوسرے شہروں میں بھی کھولے جائیں گے اور بیرون امریکہ بھی ان کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔

اب تک انسانی کلوننگ سے متعلق جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے اگر ان کا جائزہ سائنس کی رو سے لیا جائے تو جواب بہت آسان ہے۔ اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ ہنوز دلی دور است، کلوننگ کی ٹیکنیک ابھی انتہائی ابتدائی مراحل میں ہے اور اس کی کامیابی کے مواقع بہت کم ہیں۔ خود ڈولی (بھیڑ) کی پیدائش کا تجربہ سینکڑوں تجربات کی ناکامی کے بعد کامیاب ہوا ہے۔ ابھی اس ٹیکنیک پر بہت کام کرنا باقی ہے۔ ابھی سائنسدانوں کو ان سوالات کے جوابات دینے باقی ہیں کہ یہ ٹیکنیک کس حد تک محفوظ ہے،

کس حد تک مفید ہے، اور اس طرح کے بچوں کی صحت کیسی ہوگی؟ وغیرہ، لیکن جب ان سوالات کے جوابات مل جائیں گے تو پھر اصل مسئل پیدا ہوگی۔ کیونکہ اس بارے میں مذہبی اور سماجی حلقے جو اعتراضات اٹھا رہے ہیں وہ کافی خوفزدہ کر دینے والے ہیں۔ جیسا کہ ایلڈوس ہکسلے نے لکھا ہے کہ ظالم لوگ اس طرز تخلیق کو ایک صنعت بنالیں گے اور جس طرح کہ ہر صنعت کار جونک بن کر انسانیت کا خون چوستا ہے اس طرح اس صنعت کے مالک بھی انسانوں کے ساتھ ویسا ہی وحشیانہ سلوک کریں گے۔ ہم مثل انسانوں کے لشکر پہ لشکر تیار ہونا شروع ہوجائیں گے تا کہ ان سے مشقت آمیز اور ادنیٰ درجے کے کام لئے جاسکیں، ان کے جسمانی اعضاء کی خرید و فروخت کا دھندہ عام ہوجائے گا اور مستبد حکمران ان کو اپنے ہوس اقتدار کی بھینٹ چڑھادیں گے۔ دنیا بھر میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی اور یہ کلون اس آگ کا ایندھن بنیں گے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ ان کے خدشات غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔ یہ لوگ کلوننگ کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں پائے؟ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک عام انسان اور ایک کلون شدہ انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کلون شدہ انسان جسمانی ساخت، روحانی اوصاف اور انسانی جذبات کے لحاظ سے بعینہٖ اس طرح ہوگا جس طرح کہ عام انسان ہوتا ہے۔ اس کی مثال جڑواں بچوں کی طرح ہوتی ہے۔ جڑواں کی طرح اس کی پرورش اور نشوونما بھی رحم مادر میں ہوتی ہے اور یہ تمام سامان نشوونما اپنی ماں سے حاصل کرتا ہے اور اس کی پیدائش بالکل انہی مراحل سے گزرتی ہے جن مراحل سے ایک عام انسانی بچہ گزرتا ہے۔ کلوننگ کے لیئے سیل بھی انسانی جسم سے لیا جاتا ہے اور اس کی کلوننگ بھی رحم مادر میں ہوتی ہے لہٰذا اس لحاظ سے اسے نئی تخلیق نہیں کہا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تخلیق کا ایک نیا طریقہ ہے۔ ڈالی (بھیڑ) کی بھی تخلیق اسی طرح ہوئی ہے۔ سائنسی لحاظ سے عام بچے اور کلون میں بنیادی فرق کروموسومز کی تعداد کا ہوتا ہے۔ انسانی سیل میں کروموسومز کی تعداد ۲۳ ہوتی ہے اور یہ جوڑے بنے ہوتے ہیں۔ ایک عام بچہ ۲۳ کروموسومز ماں سے اور ۲۳ کروموسومز باپ سے لیتا ہے۔ جبکہ کلون شدہ بچے میں یہ کروموسومز یا تو ماں کی طرف سے ہوتے ہیں یا باپ کی طرف سے یعنی اگر ماں کی شکل و شباہت پر بچہ پیدا کرنا ہے تو پھر یہ کروموسومز ماں کی طرف سے ہوں گے بصورت دیگر باپ کی طرف سے۔ بھیڑوں میں ان کی تعداد ۲۷ کروموسومز ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ویلمٹ نے ایک مادہ بھیڑ کے تھن سے سیل لیا اور اسے ایک خاص محلول میں محفوظ کر دیا تا کہ اس کی مزید نشوونما رک جائے۔ یہ اس لئے کیا کیونکہ سیل مسلسل تقسیم ہوتے رہتے ہیں اور ان کے ڈی۔این۔اے میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ محلول میں ایسے کیمیکل ہوتے ہیں جو اس تبدیلی کو روک دیتے ہیں اور ڈی۔این۔اے پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اس نے ایک دوسری مادہ بھیڑ کو ہارمونز کا انجکشن لگا کر ایک سیل (EGG) حاصل کیا اور اس کا ڈی۔این۔اے نکال کر اندر سے خالی کر دیا تا کہ اس کے جینز (GENES) بالکل ختم ہوجائیں۔ یاد رہے کہ جسم کی تمام ہیئت ترکیبی انہی جینز کی بناء پر بنتی ہے۔ اس کے بعد ایک سیل اور میری سیل کو آپس میں ملادیا اور خاص ترکیب سے میری سیل کا ڈی۔این۔اے ایگ سیل میں منتقل کر کے اسے رحم مادر میں رکھ دیا۔ وہاں اس نے مقررہ

امریکی سائنٹس دان ڈاکٹر رچرڈ سیڈ جنہوں نے انسانوں کی کلوننگ کا پروگرام شروع کیا ہے

مدت تک پرورش پائی اور اس کے بعد اس کی پیدائش ہوئی۔

انسانی کلوننگ بھی اسی طرح سے ہوگی۔ جو لوگ اس پر اعتراضات کر رہے ہیں وہ کوئی نئے نہیں۔ ان کے بھائی بند پہلے بھی ہوگزرے ہیں جو ہر نئی ایجاد کو انسانیت کے لیئے خطرہ قرار دیتے تھے۔ لیکن وقت نے ثابت کیا کہ وہ غلط تھے کیونکہ ان میں سے

اکثر ایجادات نے کئی انسانی مسائل حل کئے ہیں۔ انسان اگرچہ بڑا محتاط واقع ہوا ہے لیکن حصول علم کا جذبہ اس قدر شدید ہے کہ اس کے لئے کسی ایک مقام پر رکنا محال ہے۔ اسی طرح معاشی دباو مسلسل اسے مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اپنے محفوظ مستقبل کے لیئے نئی نئی راہیں تلاش کرے۔

قرآن کریم انسان کو قدم قدم پر تسخیر کائنات کی دعوت دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کائنات کی ہر شے قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہے۔ اس پر غور و فکر کرو اور اپنے استعمال میں لاو۔ لہذا تسخیر کائنات اور غیب کو مشہود بنانا اس کا فرض منصبی ہے۔ انسانی کلوننگ کے متعلق بے جا خدشات کے بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی صحیح منصوبہ بندی کی جائے اور اس کے اصول و ضوابط متعین کئے جائیں تا کہ اس جدید ٹیکنالوجی سے افزائش نسل کے مسائل کو حل کیا جاسکے۔ بلا سوچے سمجھے پابندی عاید کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

24 HOURS CONTACT

FOR ALL YOUR QUERIES
IDARA TOLU-E-ISLAM
IS AVAILABLE ON EMAIL

tolueislam@pol.com.pk

ادارہ طلوع اسلام
چوبیس گھنٹے
آپ کے لئے گوش بر آواز ہے

THANK YOU

علم طب میں انقلابی نظریئے
قانون مفرد اعضاء
کے تحت لکھی جانے والی الحاج الحکیم محمد یٰسین دنیا پوری کی نایاب کتب اور چارٹ حاصل کرنے کے لئے
یٰسین دواخانہ دنیا پور ضلع لودھراں
اور
یٰسین دواخانہ دربار ہوٹل (نزد داتا دربار) لاہور
سے رابطہ قائم کیجئے۔۔۔ فون دنیا پور 2773

خواتین کیلئے ایک خاص تحریر

احساس تنہائی

"اگر میں اب شادی کرلوں چالیس کی عمر میں تو سب لوگ مجھ پر ہنسیں گے۔ اس لیئے اب مجھے ساری عمر کنواری ہی رہنا پڑے گا اب تو میرے لیئے شادی کے سپنے بھی ممنوع ہیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور آنکھوں میں آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی"

"میں اب خود غرضی سے کام لیتے ہوئے اپنی شادی کر سکتی ہوں لیکن میرے گھر والوں کا کیا بنے گا۔ میں بھلا اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے اپنے بھائی بہنوں کا آج کیسے تباہ کر سکتی ہوں۔ اگر میں خود غرضی سے کام پہلے ہی لے لیتی تو میں بہت پہلے شادی کر سکتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ سب سے بڑی ہونے کے ناطے اپنے گھر والوں کی طرف کچھ میری ذمہ داریاں تھیں جس کی وجہ سے میں نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا"

"جب لگاتار چوتھے رشتہ دیکھنے والے لوگ نے مجھے رد کر دیا تو مجھے اپنی ہتک محسوس ہوئی میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اب میں دوبارہ کبھی کوئی نمائش کیلئے رکھی جانے والی چیز نہیں بنوں گی جس کی لوگوں کے سامنے پریڈ کرائی جاتی ہے جس کی ناک آنکھ کان کے بارے میں ایسے تبصرہ کئے جاتے ہیں جیسے کہ فرنیچر کا کوئی آئٹم ہو۔"

یہ اقتباسات ہیں کچھ ایسی غیر شادی شدہ خواتین سے گفتگو کے جو کہ اپنی عمر کے عروج سے گزر چکی ہیں اور اب کنوارے پن کی تنہائیاں اور اداسیاں ہی ان کی ساتھی ہیں مایوسیوں اور ناامیدیوں کی ایک گہری دھند ان کو گھیر چکی ہے۔ وہ ہار مان کر اپنی قسمت کے سامنے ہتھیار ڈال چکی ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کی جوانی اور امید کے بھرنے خشک ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اکثر اوقات اپنی زندگی میں کیئے گئے فیصلوں پر اور موجودہ حالات پر سوچتی رہتی ہیں۔ کہ تنہائیاں اور اداسیاں ان کی زندگی میں بے

یقینی اور خوف کے انبار لگائے جارہی ہیں لیکن درحقیقت اس کی نہ تو وہ ذمہ دار ہیں اور نہ ہی ان کو اس صورت حال پر موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ مناسب وقت پر مناسب لڑکے کی دستیابی نہ ہوسکی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر کئی عوامل بھی ہوتے ہیں جن پر بس نہیں چلتا مثلاً بہت سارے جہیز کا مطالبہ، خاندان کی توقعات اور ضرورت سے زیادہ اونچے خواب، برجستہ و برمحل فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان، جذبات کے دھارے میں بہہ جانا اور خاندان کی طرف اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے "جذباتی شہید" بننے کی آرزو اور اس کے صلے میں ستائش کی تمنا وغیرہ۔ یہ ان بہت ساری وجوہات میں سے کچھ وجوہات ہیں جن کی بنا پر غیر شادی شدہ خواتین کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

گو کہ یہ خواتین شادی کے لئے راضی بھی ہوتی ہیں اور خواہش بھی رکھتی ہیں مگر مذکورہ بالا کسی نہ کسی جذبے کے تحت اپنے ارمانوں کو قربان کر دیتی ہیں۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور اکثر اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی خاطر انہوں نے قربانیاں دی ہوتی ہیں وہی انکے خلاف ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی سے شکایت نہیں کرتیں کیونکہ پتہ ہوتا ہے کہ اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ بس ان کی برجستی ہوئی اداسیاں ہی ان کے غم کی چغلی کھاتی ہیں۔ اور سب سے زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب انہیں بے کار، یا پھر بدکردار جیسے خطابوں سے نوازا جاتا ہے۔ اور پھر زندگی ان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

جیسے جیسے ان کا احساس محرومی بڑھتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے وہ تلخ مزاج ہوتی جاتی ہیں۔ جب تک یہ تلخی اندر رہتی ہے تو وہ اس تکلیف دہ صورت حال کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتی ہیں اور جب باہر دوسروں کو دیکھتی ہیں تو حسد اور جلن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہنے لگتی ہیں لیکن خود کو معاشرتی طور پر جلاوطن کر لینے سے اداسیاں اور بڑھ جاتی ہیں پھر ان میں ضدی پن اور سخت مزاجی بڑھ جاتی ہے۔

اس طرح کی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار خواتین کو ترغیب دی جانی چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا کام کریں جس سے انہیں اپنے مفید ہونے کا احساس ہو کوئی ملازمت اختیار کرلیں یا کوئی سماجی کام شروع کر سکتی ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی کو ایک مقصد مل جائے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ انہیں معاشرتی سرگرمیوں میں پوری طرح شرکت کا موقع دیں۔ ان خواتین کے لئے کام کرنے کے مواقع پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل ہونا چاہیے۔ کم تعلیم یافتہ خواتین کو دستکاری اور دوسرے ہنر سکھانے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ انہیں آرٹ، موسیقی، بیوٹیشن وغیرہ کے کام کی تربیت دینی چاہیئے۔ آج کل تو ہر شعبے میں خواتین کیلئے نئے نئے مواقع پیدا ہورہے ہیں۔ انشورنس سیل، کھانے پکانے کی کلاسیں، اخبارات و رسائل میں کام اور ریڈیو، ٹی وی پر بھی کام مل سکتا ہے۔ خواتین بہت سارے کام خود ہی سرانجام دے سکتی ہیں جیسے کہ بے سہارا اور غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جاسکتی ہے۔ دوسروں کی مدد کرنے سے حاصل ہونے والی تسکین ساری محرومیوں کو ختم کر دے گی۔ اپنے آپ پر فخر کرنے کا جواز پیدا ہو گا۔ زندگی میں ایک مقصد کو حاصل کرنے کا جذبہ زندگی میں جوش اور ولولہ بھر دے گا۔

کوئی یتیم خانہ یا عورتوں کے لئے کوئی ادارہ چلانا نسبتاً آسان ہے۔ لیکن خود اپنے آپ دکھی انسانیت کی خدمت کرنا کہیں زیادہ مشکل ہے۔ لیکن کام جتنا مشکل ہو گا احساس کامیابی اور تسکین اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے کہ دوسرے کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا کہہ رہے ہیں؟ لوگ تو ہمیشہ دوسروں میں خامیاں اور کمزوریاں ہی ڈھونڈتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی غلط فیصلہ ہوا بھی تو اس پر آنسو بہاتے رہنے سے۔ بہتر ہے کہ

زندگی میں آگے بڑھا جائے۔ اگر پہلے کی گئی کسی غلطی کا ازالہ کیا جاسکتا ہے تو اس میں جھجک سے کام نہیں لینا چاہئے۔ سب کچھ بھول کر زندگی میں اپنے لئے نئے نئے چیلنج ڈھونڈنے چاہئیں ہو سکتا ہے کہ آپ ایسا کوئی کارنامہ سر انجام دے ڈالیں کہ لوگ حیران رہ جائیں ہو سکتا ہے کہ آپ سے جلن کا شکار وہ عورتیں ہو جائیں جنہوں نے وقت پر شادی کر لی تھی اور اپنے آپ کو آپ سے کہیں زیادہ خوش نصیب سمجھتی تھیں۔

کیونکہ شادی تو اکثریت کی ہو جاتی ہے۔ لیکن کارنامہ چند ہی لوگ انجام دے پاتے ہیں۔

انسانی معاشروں میں ایسی خواتین کی کمی نہیں ہے جنہوں نے انسانیت کی نظروں میں ایسا قابل رشک مقام حاصل کر لیا کہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ بھی فلورنس نائٹ انگیل اور مدر ٹریسا بن سکتی ہیں۔ آپ بھی اپنے خاندان اور سوسائٹی کے لئے ایک روشن مثال اور ماڈل بن سکتی ہیں بس عزم کی ضرورت ہے اور سفر بھی شرط ہے۔ تو پھر مسکرائیے زندگی صرف شادی رچانے، بچے پیدا کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی زندگی بڑے ہی اعلیٰ مقاصد کا نام ہے اور جب شہرت و ستائش آپکے قدم چومے گی تو آپ خود پر فخر محسوس کریں گی کسی نے سچ کہا ہے۔

"چاند کو اپنی منزل بنا لیجئے، اگر نہ پہنچ پائے تو بھی آپکا شمار ستاروں میں ہو گا۔" (بشکریہ ذی عکس)

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۲۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

شگفتہ تحریر
(ابن انشاء)

مادے کی قسمیں

ٹھوس

مادے کی تین قسمیں ہیں۔ ٹھوس، مایع، گیس۔ ٹھوس کا مطلب ہے ٹھوس۔ جیسے ٹھوس دلائل۔ ٹھوس اقدامات، ٹھوس نتائج وغیرہ۔ ٹھوس دلائل ایسے دعووں کے لئے کئے جاتے ہیں جو خود کمزور ہوں۔ سب سے ٹھوس دلیل اب تک لاٹھی ہی ثابت ہوئی ہے۔ بھینسوں کے لئے بھی، انسانوں کے لئے بھی۔ ٹھوس اقدامات اتنے ہوتے ہیں کہ کبھی نہیں کئے جاتے۔ بس حکومتیں ان کے ٹھوس وعدے کیا کرتی ہیں۔ ٹھوس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسی حکومتیں بہت دن نہیں رہتیں۔ ٹھوس اشیاء اپنی شکل نہیں بدلتیں، ہاں دوسروں کی بدل دیتی ہیں۔ پتھر ٹھوس ہے، جیسا ہے ویسا ہی رہتا ہے لیکن کسی آدمی کے لگے تو وہ کیسا ہی ٹھوس ہو اس میں سے مایع اور گیس وغیرہ نکلنے لگتے ہیں۔ مایع جیسے آنسو، گیس جیسے آہیں، گالیاں وغیرہ۔

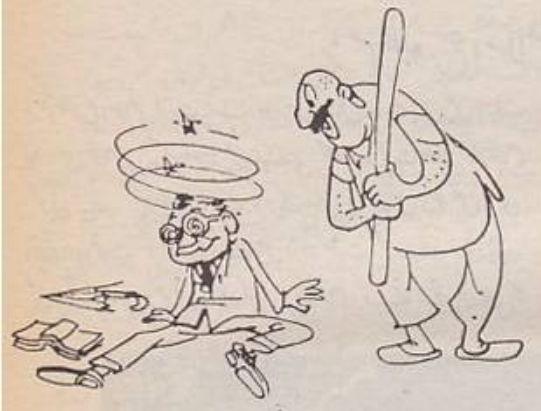

سب سے ٹھوس دلیل

ڈنڈے ٹکرایا جانے تو مایع دیتی ہے ورنہ نہیں دیتی۔ مایع کو سیال بھی کہتے ہیں۔ جیسے آتش سیال، ہیر سیال۔

مایع

مایع کا مطلب آپ جانتے ہی ہیں لہذا تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ پانی بھی مایع ہے، دودھ بھی مایع ہے۔ اسی لئے مثل مشہور ہے۔ "مایع کو مایع ملے کر کر لمبے ہاتھ" بعض اوقات مایع کو مایع میں ملانے کا نتیجہ بڑا ٹھوس نکلتا ہے۔ چنانچہ بعض گوالوں نے اسی فارمولے پر عمل کر کے بڑے بڑے مکان کھڑے کر لئے ہیں۔ یہ قول بھی دودھ والوں ہی پر صادق آتا ہے "مایع تیرے تین نام، پرسا، پرسو، پرس رام"۔ بعض اوقات ٹھوس کو ٹھوس سے ٹکرا کر بھی مایع حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً بھینس کو

گیس

گیس کا مطلب بھی ہمارے عزیز طالب علموں سے مخفی نہ ہو گا۔ جسے دیکھو اس کی شکایت لیئے پھرتا ہے۔ یہاں ہم اس کے لیئے ایک آزمودہ نسخہ درج کرتے ہیں۔

اجوائن۔ کالا نمک، کلونجی اور اطریفل ہم وزن لیجیئے اور ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر پھانک لیجیئے۔ انشاء اللہ فائدہ ہو گا۔ سوڈا واٹر بھی مفید ہے۔ گرمیاں آتی ہیں تو کراچی کا محکمہ واٹر سپلائی پانی کے نلکوں میں گیس سپلائی کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے لوگ غسل خانوں میں روٹی پکاتے اور باورچی خانوں میں (پسینہ میں) نہاتے دیکھے جاتے ہیں۔

خصوصی رپورٹ

بزم طلوع اسلام کی دعوت افطار

بزم طلوع اسلام کویت حسب روایت ہر سال ماہ رمضان میں احباب اور بہی خواہوں کے اعزاز میں ایک پر تکلف دعوت افطار کا اہتمام کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ایسی پر خلوص دعوتیں باہمی اتحاد اور اخوت کو فروغ دینے میں ازحد مثبت کردار ادا کرتی ہیں۔ نبی اکرم ایسی دعوتوں کا اکثر اہتمام کرتے تھے اور ان کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ ماضی میں یہ تقریب بزم کے مرکزی آفس میں منعقد کی جاتی تھی جس میں شرکت محدود ہوتی تھی۔ لیکن بزم کی روز افزوں مقبولیت کے پیش نظر امسال اس کا اہتمام کویت شہر کے وسط میں بلند و بالا عمارت کے وسیع ہال میں کیا گیا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت ممکن ہو سکے۔ تقریب میں ممتاز سیاسی و سماجی شخصیات اور تاجر حضرات کے علاوہ ہر شعبہ زندگی سے کئی افراد نے شرکت کی۔ تقریب کا ایک حصہ تقاریر پر مشتمل تھا جس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا

بعد ازاں بشیر احمد عابد نے تحریک طلوع اسلام کا تعارف پیش کیا اور اس کے اغراض و مقاصد اور طریقہ کار پر روشنی ڈالی۔ ان کی تقریر

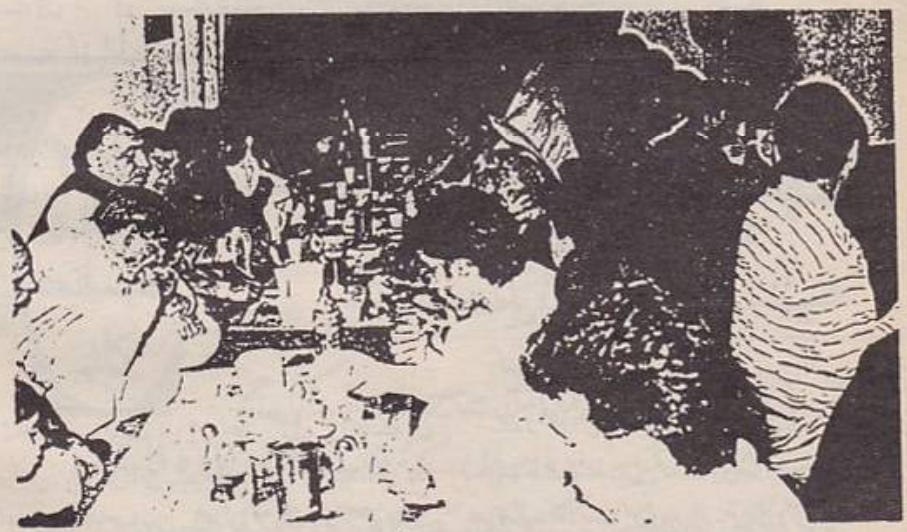

کا مکمل متن اس رپورٹ میں شامل کیا جارہا ہے تاکہ قارئین طلوع اسلام بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ تقریب سے حاجی افضل نور نے بھی خطاب فرمایا جو کہ کویت میں پاکستان پیپلز کلب کے صدر اور ایک معروف سیاسی شخصیت ہیں۔ آپ نے رمضان شریف کی فضیلت بیان فرمائی اور تمام مسلمان بھائیوں سے درخواست کی کہ وہ

جھوٹی تہمتیں اور الزامات عاید کرنے سے اجتناب کریں اور جو مسلمان بھی خدا اور رسول کا کلمہ گو ہو اسے کافر نہ کہیں۔ یہ روش وحدت امت کے لیے انتہائی مضر اور قرآن و سنت کی تعلیمات کے منافی ہے۔ آپ نے نمائندہ بزم جناب عبیدالرحمن آرائیں کو تقریب کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی اور سب مسلمانوں کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ نمائندہ بزم نے تمام حاضرین محفل کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے قیمتی وقت دے کر اس محفل کو رونق بخشی۔ تحریک طلوع اسلام پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ ایک خالص علمی و فکری تحریک ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات کو علی وجہ البصیرت پیش کرتی ہے۔ ہمارا تعلق کسی بھی گروہ یا مسلک سے نہیں اور نہ ہی دوسروں کے عقائد و نظریات کی تردید و تنقیص کرنا ہمارا منصب ہے۔ ہم اسلام کو بطور نظام حیات پیش کرتے ہیں نہ کہ بطور مذہب کے۔ نظام حیات کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ہر فرد تمامتر اختلافات کے باوجود ملت کے ساتھ استوار رہتا ہے۔ وہ اپنی دو اینٹ کی الگ مسجد بنا ہی نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ نظام میں انفرادی مفاد کے بجائے اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ آپ نے تمام مسلمان بھائیوں سے گذارش کی کہ وہ غیبت سے احتراز برتیں اور اختلافات رفع کرنے کے لئے افہام و تفہیم کا طریقہ اپنائیں۔ جو کام انسانیت کی فلاح کے لئے کئے جائیں ان کی راہ میں روک نہ بنیں اگر مخالفت کرنی ہے تو طاغوتی قوتوں کی کریں جو معاشرتی استحکام کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔ فرقہ واریت اور دہشت گردی کا تدارک سوچیں۔ سود خوروں اور محنت کشوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کریں۔ فحاشیت اور جنسی بے راہ روی کی تباہ کاریوں سے قوم کو آگاہ کریں۔ یہ ہیں وہ ذمائم و عیوب جو نفرت اور لعنت کے مستحق ہیں۔ طلوع اسلام دراصل انہی طاغوتی قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ آخر میں آپ نے ایک بار پھر تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اسی کے ساتھ یہ خوبصورت تقریب اختتام پزیر ہوئی۔

بشیر احمد عابد کی تقریر کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسول کریم

معزز حاضرین گرامی، سلام و رحمت

بزم طلوع اسلام کی طرف سے میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اس تقریب سعید میں آپ کی شرکت ہم سب کے لئے باعث افتخار ہے۔ ہم آپ کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے ہماری دعوت افطار قبول فرما کر ہماری عزت افزائی فرمائی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہیں گے۔

مجھے علم ہے کہ آپ میں سے اکثر احباب تحریک طلوع اسلام سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن آج کی تقریب میں کئی احباب ایسے بھی ہیں جو پہلی بار تشریف لائے ہیں۔ لہذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی معلومات کے لئے تحریک کا پس منظر پیش کیا جائے۔ طلوع اسلام نام کے اعتبار سے تو ایک مذہبی فرقہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا تعلق کسی بھی مذہبی یا سیاسی فرقہ سے نہیں۔ فرقہ بندی قرآن کے مطابق شرک ہے اور طلوع اسلام کبھی بھی اس کا ارتکاب نہیں کریگا۔ طلوع اسلام وحدت امت کا علمبردار ہے۔ یہ ایک خالص علمی و فکری تحریک ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات کو دلائل و براہین کی رو سے پیش کرتی ہے۔ اس کے بانی علامہ غلام احمد پرویز تھے۔ آپ

۱۹۰۳ء میں ضلع گورداسپور کے مشہور قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں لاہور میں وفات پائی۔ آپ سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور قائداعظم کے معتمد علیہ تھے۔ یہ بات آن ریکارڈ ہے کہ آپ واحد شخص تھے جس کے لئے قائد اعظم نے پروٹوکول کی پابندی ختم کر دی تھی۔ آپ جب چاہتے ان سے بلا روک ٹوک مل سکتے تھے۔ آپ تحریک پاکستان کے سرگرم رکن رہے اور طلوع اسلام مجلے کا اجراء اسی جوش و جذبہ کا نتیجہ تھا۔ ۱۹۳۸ء میں جبکہ تحریک پاکستان نازک ترین دور سے گزر رہی تھی اور اس کی مخالفت نہ صرف ہندو اور انگریز کر رہے تھے بلکہ

بعض مسلمان علماء بھی اس میں پیش پیش تھے تو اس وقت ایسے لٹریچر کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی گئی جو نظریہ پاکستان کا دفاع قرآن وسنت کی روشنی میں کر سکے۔ کیونکہ اس وقت ایک عام مسلمان کو یہ سمجھانا تو آسان تھا کہ انگریز اور ہندو نظریہ پاکستان یا دو قومی نظریہ کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ لیکن اس نظریہ کی مخالفت مسلمان علماء کیوں کرتے ہیں یہ کافی سنجیدہ اور پریشان کن سوال تھا۔ مسلمان علماء اسلام کا جو تصور صدیوں سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں اس کے مطابق ایک مسلمان کو اپنی عبادات اور مذہبی عقائد و رسومات ادا کرنے کے لئے کسی الگ خطہ زمین کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبکہ علامہ اقبال اور قائداعظم کا موقف یہ تھا کہ اسلام محض عبادات اور چند رسومات کی ادائیگی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے نفاذ کے لئے ایک الگ خطہ زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو اسلامی نظام حیات قائم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں جو یہ نظام حیات نوع انسانی کو دینا چاہتا ہے۔ اس موقف کی حمایت میں مسلمانوں کی رائے عامہ کو ہموار کرنا بڑا ہی جگر پاش کام تھا۔ اس کے لئے اسلام کی وہ تعبیر و تشریح درکار تھی جو نبی اکرم اور خلفاء راشدہ کے عہد میں پیش نظر رہتی تھی۔ مفاد پرست اور باطل قوتوں نے قرآن وسنت کی اس تعبیر و تشریح کے سامنے غلط عقائد و نظریات کے دبیز پردے تان دیئے اور انہیں اسقدر مقدس بنادیا کہ آج انہیں اگر کوئی ذرا سا بھی چھیڑتا ہے تو اسے فوراً کافر و مرتد قرار دیدیا جاتا ہے۔ اس خوف کی بنا پر کوئی بھی ذی ہوش اور ذی عقل انسان اس طرف قدم اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ برصغیر میں اس سمت سر سید احمد خان نے کچھ تھوڑی سی پیش رفت کی لیکن قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ علامہ اقبال نے بھی کوشش کی لیکن ان کی فکر سے بھی بہت کم استفادہ کیا جاسکا۔ انہی سعید روحوں کے نقش قدم پر علامہ پرویز نے چلنے کی کوشش کی لیکن عمر بھر کی جدوجہد کے باوجود مطلوبہ کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ آپ نے علامہ اقبال اور قائداعظم کے

ایماء پر

۱۹۳۸ء میں ماہنامہ طلوع اسلام کا اجراء کیا اور پھر تشکیل پاکستان تک مذہبی محاذ پر پاکستان دشمن ملاؤں اور دو قومی نظریہ کے مخالفین کے ساتھ برسر پیکار رہے۔ آپ نے یہ لڑائی نہایت بے جگری سے لڑی۔ قدامت پرست علماء نے آپ پر طرح طرح کے الزامات اور تہمتیں لگائیں لیکن اس کے باوجود آپ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس جذبہ جنون کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو مسلمان علماء کی مخالفت دم توڑ گئی اور ان کے صد ہزار بار نہ چاہنے کے باوجود پاکستان قائم ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ عہد رسالت مآب کے دور کی تعبیر و تشریح پر مبنی قرآن وسنت کا ایک وسیع لٹریچر تخلیق ہوا جس سے آج دنیا بھر میں روشن دماغ اہل علم فیض یاب ہو رہے ہیں۔ بزم طلوع اسلام کویت کا شمار بھی انہی علم و عرفان کے مشعل برداروں میں ہوتا ہے۔ یہ بزم، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور کے زیر نگرانی کام کرتی ہے جو کہ حکومت پاکستان کا رجسٹرڈ ادارہ ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ جو لٹریچر بھی شائع کرتا ہے وہ حکومت پاکستان سے منظور شدہ ہوتا ہے۔ ماہنامہ طلوع اسلام بھی اسی ٹرسٹ کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے اور گذشتہ پچاس سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ طلوع اسلام کی طرف سے آپ کی خدمت میں جو لٹریچر بھی پیش کیا جاتا ہے اس کی غرض و غایت محض علمی و فکری ہوتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم انسانی زندگی کے لئے نور کی مانند ہے۔ علم سے محروم انسان اندھا ہوتا ہے اور مصاف زندگی میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ آج کے دور میں یہ ایک کھلا راز ہے کہ اقوام کی ترقی و خوشحالی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ علم و شعور کی کن بلندیوں پر فائز ہیں۔ قرآن کریم مسلمانوں کو دنیا کی مہذب ترین اور عظیم تر قوم بنانا چاہتا ہے تاکہ یہ اقوام عالم کی نگرانی کر سکے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تہذیب و ترقی کی رفعتوں سے وہی قوم ہمکنار ہو سکتی ہے جو علم و تحقیق کے میدان میں ممتاز مقام رکھتی ہو۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم اور خود نبی اکرم نے علم کے حصول پر بے حد زور دیا ہے۔ علم و آگاہی کے بغیر انسان اندھی تقلید اور سنی سنائی باتوں کو بلا

تحقیق قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ موقعہ پرست لیڈر اور مذہبی پیشوا لوگوں کی اس کمزوری کا خوب استحصال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں ہر طرف فسادی فساد پیدا ہو جاتا ہے اور اصلاح کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو بدترین خلائق قرار دیا ہے جو بہرے اور گونگے بنے رہتے ہیں اور عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے۔ (الانفال آیت ۲۲)۔ اور مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے کہ جس بات کا انہیں ذاتی طور پر علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگیں۔ خدا نے ذرائع علم و تحقیق یعنی سماعت، بصارت اور قلب و دماغ اس لئے عطا کئے ہیں تاکہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا ذاتی طور پر ذمہ دار ٹھہرایا جا سکے۔ یاد رکھیئے۔ اس ضمن میں ہر انسان سے سخت باز پرس ہو گی۔ (بنی اسرائیل، آیت ۳۶)۔ حضور پاک نے اپنے لئے جو دعا پسند فرمائی وہ یہ تھی کہ "اے میرے پروردگار، میرے علم میں اضافہ فرما" قرآن و سنت کی ان بصیرت افروز تعلیمات کی روشنی میں تحریک طلوع اسلام کے اہل فکر و دانش ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں اور بتوفیق ایزدی آپ کی خیر و فلاح کے لئے علم و عرفان کے چراغ روشن کرتے رہتے ہیں۔ اس کام کے لئے نہ تو کوئی معاوضہ طلب کیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی صلہ و ستائش کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ہمیں ان چیزوں کی حرص و طمع ہوتی تو ہم یا تو حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے ہوتے یا محراب و منبر کا رخ کرتے۔ طلوع اسلام کا پلیٹ فارم استعمال نہ کرتے جہاں وقت، توانائی اور پیسہ برباد کرنے کے باوجود ہر طرف سے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہماری نگاہ میں ہر انسان واجب الاحترام ہے اور ہم اپنے آپ کو کسی سے بھی بہتر یا افضل نہیں سمجھتے۔ طلوع اسلام کا موقف حقائق اور اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ عقاید و نظریات سے بحث نہیں کرتا۔ ہمارا تمام ارکان دین پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہے۔ توحید، رسالت، آخرت، ختم نبوت اور دیگر ارکان اسلام کو ہم اسی طرح مانتے ہیں جس طرح پوری امت مانتی ہے۔ نقطہ نظر کا اختلاف ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ یہ روز آفرینش سے رہا ہے اور روز قیامت تک رہے گا اسی سے رنگ کائنات کی نمود ہے۔ ہم نے اپنا نقطہ نظر ہمیشہ دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بہر حال یہ ایک انسانی کوشش ہے اور کوئی بھی انسانی کوشش نہ تو مکمل ہوتی ہے اور نہ سہو و خطاء سے منزہ۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ ہر مسلمان قرآن کا کثرت سے مطالعہ کرے، اس کے حقائق پر غور و تدبر کرے اور اس کے اصول و قوانین پر مبنی حکومت قائم کرنے کے لئے کوشش کرے تاکہ نوع انسان امن و سلامتی کی منزل حاصل کر سکے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان قرآن کی کثرت سے تلاوت کرتے ہیں لیکن سوچ و فکر سے کام نہیں لیتے۔ امت کی یہ بہت بڑی سیاہ بختی ہے کہ اس کے ہاتھ میں نور ہے لیکن وہ اس کی ضیاء پاشیوں سے محروم ہے اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ہماری نگاہ میں اس کی سب سے بڑی وجہ غلط عقائد و نظریات ہیں۔ یہ غلط عقائد و نظریات دیگر اقوام اور ادیان نے دین اسلام میں بالارادہ داخل کئے ہیں اب یہ غلط عقائد و نظریات اصل دین بن چکے ہیں اور قرآن و سنت کی اصل تعلیمات بقول علامہ اقبال خرافات میں کھو گئی ہیں۔ اگر ان غلط عقائد و نظریات کے پردے چاک کر دیئے جائیں اور قرآن و سنت کی اصل تعلیمات کو سامنے لائے جائیں تو مسلمان ایک بار پھر سے دنیا کی عظیم قوت بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ کام بہت زیادہ اور بڑی گہری علم و تحقیق کا متقاضی ہے۔ یہ کسی فرد واحد یا چند افراد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے اجتماعی کوشش درکار ہے۔ مسلم اہل فکر و دانش کا فریضہ ہے کہ وہ ان تمام باطل عقاید و نظریات کا از سر نو جائزہ لیں اور ان کو انہی اصولوں اور طریقہ کا کے مطابق پرکھیں جو دور اول کے محدثین اور فقہاء کرام نے ان کی صحت پرکھنے کے لئے مقرر کئے تھے۔ اس طرح تمام باطل عقاید و نظریات چھٹ جائیں گے اور حقیقت اپنے اصلی روپ میں نکھر کر سامنے آجائیگی۔ طلوع اسلام حسب استطاعت یہی فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔ اور ہر صاحب علم کو اس کی دعوت دیتا ہے۔ طلوع اسلام نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی بات حرف آخر ہے۔ طلوع اسلام کے لٹریچر میں اگر آپ کو کوئی مفید، مثبت اور

بقیہ ص [illegible] پر

PAMPHLETS -- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس بحساب ایک روپیہ فی پمفلٹ' علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

1۔ دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے
2۔ اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
3۔ اسلامک آئیڈیالوجی
4۔ الصلوۃ
5۔ تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک
6۔ الزکوۃ
7۔ اسلام کیا ہے ؟
8۔ کافر گری
9۔ کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے
10۔ عالمگیر افسانے
11۔ ماؤزے تنگ اور قرآن
12۔ رحمت اللعالمین
13۔ مرزائیت اور طلوع اسلام
14۔ ISLAMIC IDEOLOGY
15۔ Is Islam A Failure
16۔ اسلامی قانون سازی کا فریضہ
17۔ اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے
18۔ کیا قائد اعظم پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔
19۔ Why Is Islam The Only True Deen

زیر طباعت

1۔ ماؤزے تنگ اور قرآن۔ 2۔ جنگ اور انسان
3۔ دو قومی نظریہ۔ 4۔ خدا کی مرضی
5۔ بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن

(سرکولیشن مینجر۔ ماہنامہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بردباری

عبدالستار غزالی

بردباری کو اس کی افادیت کے اعتبار سے اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بردباری کا مفہوم یہ ہے کہ انسان غیظ و غضب کی حالت میں بدلہ لینے اور طاقت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے درگزر سے کام لے اور عزم و حوصلہ سے اپنے برانگیختہ جذبات کو قابو میں رکھے۔ انسانی تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے بھی بردباری کا شمار اعلیٰ اوصاف میں ہوتا ہے۔ بردبار انسان نہایت مہذب کہلاتے ہیں۔ وہ اختلاف رائے کو ہر انسان کا بنیادی حق تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سیاست ہو یا مذہب ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی فہم و بصیرت کے مطابق کچھ بھی نقطۂ نظر رکھ سکتا ہے۔ جو لوگ بردباری اور تحمل مزاجی جیسی اعلیٰ صفات سے عاری ہوتے ہیں وہ اپنی ذات اور اپنے معاشرے میں انتشار اور انتشار کا موجب بنتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھوں معاشرتی استحکام کو درہم برہم اور امن و سلامتی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ وہ پارٹی بازی اور فرقہ پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان تنگ نظر اور کم ظرف بن جاتا ہے اور اس میں قوت برداشت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے مخالفین کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

اسلام میں رواداری اور ضبط نفس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ انسانیت کیلئے امن و سلامتی چاہتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم عفو و درگزر سے کام لیں۔ اور قاعدے اور قانون کے مطابق لوگوں سے سلوک کریں۔ خذ العفو و امر بالعرف (7 : 199)

قرآن کریم ایک مقام پر مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اپنی زائد قوت و حرارت کو خواہ مخواہ مشتعل ہو کر تباہ و برباد کر دینے کی بجائے تعمیری کاموں کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور اس بات کا قطعاً خیال نہیں کرتے کہ دوسروں کی طرف سے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ کاظمین الغیظ

ان کا مقصد اپنی ذات اور معاشرے میں حسن پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ روش نظام خداوندی کے نزدیک بڑی پسندیدہ ہے۔

واللہ یحب المحسنین (3 : 134)

قرآن کریم کہتا ہے کہ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اختیار و ارادہ کو مکمل آزادی کے ساتھ استعمال کرے (29-18)۔ دین کے معاملے میں کسی کو زبردستی نہیں کرنی چاہیے اسے انسانوں کو اپنے دل کی رضامندی سے قائم اور اختیار کرنا چاہیے۔ (256-2) اس نقطہ کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی۔ (10 : 99)

ولو شاء ربك لا من من فی الا رض کلھم جمیعا
افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین

اگر خدا کا قانون مشیت جبر پر مبنی ہوتا تو روئے زمین کے سب انسان مومن ہوتے اور دیگر اشیائے کائنات کی طرح وہ سب اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق سرگرم عمل ہوتے۔

لہٰذا جب خدا کا قانون یہ ہے کہ کفر اور ایمان کی معاملہ میں انسانی اختیار و ارادہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے تو اے رسولؐ تو لوگوں کو

کس طرح مجبور کر سکتا ہے۔ کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں"

تاریخ اسلام سیاسی بردباری اور مذہبی رواداری کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ کی اپنی زندگی قرآن کریم کی ان بلند اقدار کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ کی بعثت سے قبل دنیا گمراہی اور اخلاقی برائیوں میں سر تا پا ڈوبی ہوئی تھی۔ لوگوں کے سینے نفرت، حسد اور بغض سے لبریز تھے۔ انسانی تہذیب پر ہر طرف جور و جبر کی تاریکی مسلط تھی۔ اور دنیا ماتم کدہ بنی ہوئی تھی۔ ایسے پر آشوب دور میں آپ رحمت و بردباری کا ایک عالمگیر پیغام لائے۔ آپ کے عفو و کرم، بردباری، تحمل مزاجی کا دامن اسقدر وسیع تھا کہ اس میں کائنات بھر کی کوتاہیوں کی پردہ پوشی موجود تھی۔ آپ پر مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کی داستان تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ آپ کو گالیاں دی گئیں، آوزے کسے گئے، مجنون، ساحر اور کذاب تک کہا گیا مگر ہر موقعہ پر آپ نے بردباری کا ثبوت دیا اور کسی حال میں تحمل مزاجی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے بردباری کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ" پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقت میں پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے غصے پر قابو پالے۔" آپ نے جو نظام مملکت قائم کیا اس میں بردباری اور تحمل مزاجی کو فوقیت حاصل تھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک بردباری اور تحمل مزاجی اسلامی مملکت کا شعار رہی۔ یہ ایک تاریخی مسلمہ ہے کہ اسلامی مملکت میں نہ صرف مذہبی آزادی تھی بلکہ شخصی قوانین کی بھی اجازت تھی۔ مملکت ان کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ مشہور مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ اس مذہبی رواداری اور سیاسی آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومن امپائر کے مشرقی حصوں میں آباد عیسائی ترک وطن کر کے اسلامی مملکت میں پناہ لینے لگے۔ کیونکہ وہاں انہیں اپنے عقائد و رسومات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ضمانت دی جاتی تھی۔ جبکہ رومن کیتھولک مسلک کے پیرو کار انہیں ذرہ بھر برداشت نہ کرتے تھے۔ دراصل اسلام نام ہی امن و سلامتی اور اطاعت و وفا کیشی کا ہے۔

(مسلم) اسے کہتے ہیں جو خدا کے قوانین کے آگے جھکا ہوا ہو اور خود بھی امن و سلامتی سے رہے۔ اور ساری دنیا میں صلح و آشتی کا پیامبر ہو۔ قرآن میں خدا کی ایک صفت "السلام" مذکور ہے (۲۳-۵۹) اس کے معنے ہیں وہ ہستی جس سے دوسری چیزیں سلامتی حاصل کریں۔ اللہ تمام مخلوق کو اختلال و انتشار سے محفوظ رکھتا اور نہایت حفاظت و صیانت سے نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔ امن و سلامتی اور صلح و آشتی کے موضوع پر قرآن کریم میں متعدد آیات موجود ہیں۔ جگہ جگہ فساد اور ناانصافی کی مذمت کی گئی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اصلاح اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو ایک ایسی قوم بنانا چاہتا ہے جسے اقوام عالم میں مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ امۃ وسطا جو نہ کسی کی طرف جھکی ہو اور نہ کسی سے کھنچی ہو۔ اور اس کا فریضۂ زندگی اقوام عالم کی نگرانی کرنا ہو۔

لتکونو شھداء علی الناس (2 : 143)

تا کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے (۲-۱۴۳) اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ایسا مقام وہی قوم حاصل کر سکتی ہے جو اپنے اندر بردباری، تحمل مزاجی اور وسیع النظری جیسی اعلیٰ صفات پیدا کرے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
پشت پر	۸۰۰ روپے	۶۰۰۰ روپے
اندرونی صفحات	۶۰۰ روپے	۵۰۰۰ روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	۵۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
نصف صفحہ	۳۰۰ روپے	۲۰۰۰ روپے
چوتھائی صفحہ	۱۵۰ روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہیئے۔ اجرت مسودہ کے ساتھ پیشگی ہونی چاہیئے۔

مجلس اقبال

نصب العین امت محمدیہ حفظ و نشر توحید است

ایکہ خوردستی زمینائے خلیلؑ | گرمیٔ خونت ز صہبائے خلیلؑ

بر سر ایں باطل حق پیرہن | تیغ لا موجود الا ہو بزن

اے امت مسلمہ تو اس ملت ابراہیمی کی پیامبر ہے جس نے خون اور وطن کے رشتوں کو منقطع کر کے خالص دین کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کی تھی جس نے باطل کے خداؤں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا۔ تیرا فریضہ یہ ہے کہ تو لاالہ الااللہ کی ضربکاری سے اس بت عہد حاضر کو پاش پاش کر دے۔

جلوہ در تاریکی ایام کن | آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

تیرے پاس دین کامل ہے تو اٹھ اور اس دین کے سراج منیر سے دنیا کی تاریکی کو دور کر دے

لرزہ از شرم تو چوں روز شمار | پرسدت آں آبروئے روزگار

حرف حق از حضرت ما بردہ | پس چرا با دیگراں نسپردہ

جب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو شرم سے کانپ اٹھتا ہوں کہ جب روز محشر نبی اکرم تم سے یہ سوال کریں گے کہ قرآن کا جو پیغام تم نے مجھ سے لیا اس کو باقی دنیا تک کیوں نہیں پہنچایا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔ تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا اس وقت جو تمہاری حالت ہو گی اس کے تصور و احساس سے میں پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ اس لیئے تم اپنے فریضہ کی ادائیگی کرو تا کہ اس وقت کی ندامت و خجالت سے بچ جاؤ۔

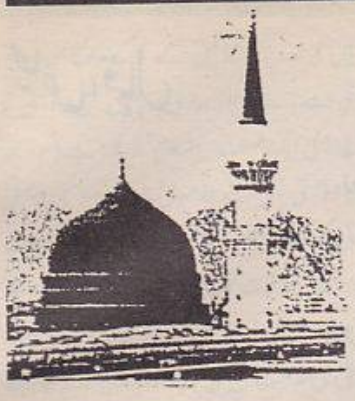

حدیث نبویؐ

دنیا پرست عالم کا انجام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وہ شخص کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم عطا کیا اور اس نے اللہ کے بندوں کو دین کا علم سکھانے میں بخل سے کام لیا اور سکھایا تو اس پر مال وصول کیا اور اپنی دنیا بنائی تو ایسے شخص کو قیامت کے دن آگ کی لگام بنائی جائے گی اور ایک اعلان کرنے والا (فرشتہ) اعلان کرے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ نے اپنے دین کا علم بخشا تھا لیکن اس نے دوسروں کو دین بتانے میں بخل کیا اور جنہیں سکھایا تو ان سے مال وصول کیا اور اپنی دنیا بنائی یہ فرشتہ برابر اسی طرح محشر میں حساب کتاب ختم ہونے تک اعلان کرتا رہے گا۔ (ترغیب و ترہیب)

علم قرآن اور اخلاص نیت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ رہا تھا (قرآن پڑھ کر وعظ و نصیحت کر رہا تھا) جب وہ اس سے فارغ ہوا تو اس نے لوگوں سے مال مانگا (چندے کی اپیل کی) یہ منظر دیکھ کر عمران بن حصین نے انا للہ الخ پڑھا پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ۔

"جو شخص قرآن پڑھے اسے اللہ ہی سے مانگنا چاہیئے اس لئے کہ میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہونگے جو قرآن پڑھیں گے تا کہ لوگوں سے مال وصول کریں" (ترمذی)

طلوع اسلام ۔

ممکن ہے یہ احادیث ان علماء کے نزدیک ضعیف کہلائیں جن کا پیشہ ہی دین فروشی ہے لیکن طلوع اسلام کے نزدیک چونکہ یہ قرآن کے مطابق ہیں فلہذا قوی اور مستند ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وماتسلهم عليه من اجر ان هو الا ذكر للعلمين (12/104)

(اے رسول تو انہیں قرآن کی تعلیم دیتا ہے تا کہ ان کی بھلائی ہو) حالانکہ تو ان سے اس کے معاوضے میں کچھ نہیں مانگتا یہ تو تمام نوع انسان کے لئیے ضابطہ حیات ہے۔ طلوع اسلام گذشتہ پچاس سال سے قرآن کی [illegible] فریضہ بلا مزد و معاوضہ سر انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود علماء دین اسے منکر حدیث کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟

استفسارات

سوال۔ طلوع اسلام خود کو نہ تو مذہبی جماعت کہتا ہے اور نہ سیاسی پارٹی اور دعویٰ یہ بھی ہے کہ یہ قرآن کریم کی تعلیمات پر مبنی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ مذہب اور سیاست کو الگ نہیں کیا جاسکتا تو کیا طلوع اسلام کی مذہب اور سیاست سے لاتعلقی فکری تضاد کا باعث نہیں بنے گی؟ وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواب۔

یہ درست ہے کہ سطح بین نگاہیں طلوع اسلام کی مذہب اور سیاست سے لاتعلقی کو فکری تضاد قرار دیں گی۔ لیکن جو لوگ قرآن کریم پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن مذہب اور سیاست میں تفریق نہیں کرتا ہے۔ قرآن کریم وحدت امت کا تصور دیتا ہے جب کہ مذہب اور سیاست کی تفریق امت کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیتی ہیں۔ قرآن کے نظام کی کامیابی کی دلیل امت میں یک نگی اور یک جہتی ہے۔ جبکہ مذہب اور سیاست کی کامیابی کا انحصار تفرقہ بازی اور باہمی چپقلشوں پر ہوتا ہے۔

مذہب چند بے مقصد اور بے جان عقائد و رسومات کی پیروی کا نام ہوتا ہے اور زندگی کے عملی مسائل سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک زندگی کی رونقیں ممنوع اور زیب و زینت کی چیزیں حرام ہوتی ہیں۔ جو لوگ دنیاوی لذائذ اور مسرتوں کے حصول کے لئے کوشاں ہوتے ہیں وہ انہیں گمراہ قرار دیتا ہے۔ اس کے مقابل قرآن خوشگواریوں اور مسرتوں کو سرفہرست رکھتا ہے۔ وہ ان چیزوں کو اپنے نظام کا ماحصل بتاتا ہے۔ وہ ہم سے کہتا ہے کہ کہو۔

ربنا اتنا في الدنيا حسنة و في الآخرة حسنة

"اے ہمارے نشوونما دینے والے ہمیں اس دنیا میں بھی خوشگوار زندگی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔ (۲۰۱-۲) وہ کہتا ہے ان سے کہو اے میرے بندو اگر تم اپنے رب کی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہو تو ان کی پوری نگہداشت کرو۔ جو لوگ ان اصول و اقدار کے مطابق حسن کارانہ زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے اس زندگی میں بھی خوشگواریاں ہیں۔ اگر اس کے لئے کوئی ایک خطہ زمین راس نہیں آتا تو کسی دوسری جگہ ساز گار فضا کو تلاش کرو۔ خدا کی زمین بڑی وسیع ہے۔ یونہی ہمت ہار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ استقامت سے کام لو خدا تمہارا اس استقامت کا اجر اس انداز سے دے گا جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ (۱۰-۳۹)

قرآن کریم کی تعلیمات تو یہ ہیں جو قدم قدم پر انسان کو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی ترغیب دلاتی ہیں جب کہ مذہب اس کے برعکس دنیا کو مردار شے سے تشبیہ دیتا ہے۔ طلوع اسلام جو قرآن کا علمبردار ہے ایسے مذہب سے کیسے تعلق رکھ سکتا ہے۔ (خواہ اس کا نام اسلام ہی کیوں نہ رکھ دیا ہو) جو انسان کو زندگی کی لذتوں، مسرتوں اور شادمانیوں سے محروم کر کے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں دھکیل دے۔ سیاست سے بھی لاتعلقی اس بنا پر ہے کہ اس کے اصول اقدار قرآن کریم کے اصول و اقدار سے متصادم ہیں۔ موجودہ دور کی سیاست اقتدار کے حصول کے لئے ہر طرح کے جوڑ توڑ اور فتنہ و فساد کو جائز سمجھتی ہے جب کہ قرآن کریم کے نزدیک وحدت امت اور امن و سلامتی ایک ایسی قدر ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسے اقتدار کی بھینٹ چڑھایا جاسکتا ہے۔ سیاسی لوگ جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور جھوٹی

امیدیں دلاتے ہیں اور لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں کرتے۔ قرآن کریم کے نزدیک یہ ایک شیطانی فعل ہے جس کی وہ کبھی حمایت نہیں کرتا۔

سورۃ النساء کی آیت ۱۲۰ میں ارشاد ہے۔

یعدھم و یمنیھم وما یعد ھم الشیطن الا غرورا (120 : 4)

(شیطان کے یہ نمائندے) لوگوں کو جنت بداماں زندگی کی نویدیں سناتے ہیں۔ اور ان کی آرزوئیں بر آنے کے مژدے سناتے ہیں۔ لیکن ان کے یہ تمام وعدے اور مژدے دھوکہ اور فریب ہیں۔ (۱۲۰-۴) ہمارے سیاست دان جو وعدے کرتے ہیں انہیں وہ کبھی پورا کر کے نہیں دکھاتے قرآن کریم اسے غایت درجہ کا کمینہ پن تصور کرتا ہے کہ جو کہا جائے اور اسے کر کے نہ دکھایا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

یایھا الذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (3-61 : 61)

اے جماعت مومنین ایسے دعوے کبھی نہ کرو جنہیں عملاً پورا کر کے نہ دکھاؤ خدا کے نزدیک یہ بات بڑی مذموم اور قابل گرفت ہے کہ ایسی باتیں کہی جائیں جنہیں کر کے نہ دکھایا جائے۔ (۶۱-۳)

موجودہ سیاست پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ جس کا جتھہ مضبوط ہے جس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے وہ سب سے زیادہ کامیاب سیاستدان کہلاتا ہے۔ جب کہ قرآن کے نزدیک کامیابی کا معیار تقویٰ ہے۔ یعنی جو لوگ اصول و اقدار کی پاسداری کرتے ہیں اور قوانین خداوندی کی نگہداشت کرتے ہیں زمام اقتدار کے اہل بھی وہی ہوتے ہیں۔ اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ جن لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی ایسی بصیرت افروز رہنمائی ہو وہ موجودہ دور کی سیاست سے کنارہ کشی کیوں نہ اختیار کریں گے جو سراسر جھوٹ، فریب اور فتنہ و فساد پر مبنی ہو۔ طلوع اسلام ان لوگوں کے ساتھ کیسے چل سکتا ہے جو عوام کی سادہ لوحی کا استحصال کر کے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچتے ہیں اور پھر بجائے اجتماعی مفاد کے اپنے اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ طلوع اسلام کے نزدیک مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور عوام کو ان کی غرض و غایت سمجھائی جائے تاکہ وہ انہیں بر رضا و رغبت قبول کر سکیں اور ان کے مطابق زندگی بسر کریں۔ طلوع اسلام کے نزدیک سیاست کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کے اصول و اقدار پر مبنی نظام قائم کیا جائے اور ان کے مطابق قوم کو درپیش مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ عوام میں "یک نگمی" اور یک جہتی پیدا کی جائے اور انہیں ظالموں اور مجرموں سے تحفظ فراہم کیا جائے تاکہ ان کی محنتیں بھرپور پھل لا سکیں۔ طلوع اسلام اپنے اس مسلک پر گذشتہ پچاس سال سے رواں دواں ہے۔ اگرچہ رفتار کم ہے لیکن راہی بے ذوق نہیں۔ اس قافلے کا ہر فرد پورے جذب و انہماک کے ساتھ مصروف تگ و تاز ہے اور انشاء اللہ بہت جلد اپنی منزل کو پالے گا۔

وما علینا الا البلاغ

لائف ممبر شپ برائے مجلہ طلوع اسلام

نہ ہر سال زر شرکت بھجوانے کی زحمت نہ کھاتہ کھلوانے کی ضرورت ایک دفعہ

اندرون ملک ۱۵۰۰ روپے ایشیا، یورپ، افریقہ ۸۰۰۰ روپے آسٹریلیا، کینیڈا، امریکہ ۱۰۰۰۰ روپے

ادارہ کے اکاونٹ نمبر ۲۰۸۲-۷ نیشنل بینک۔ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور کے نام ارسال فرما کر لائف ممبر شپ حاصل کر لیجئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وطنی اور متحدہ قومیت

محمد سلیم ساقی

مولانا مجاہد الحسینی کا مضمون "علماء دیوبند کا علامہ اقبال اور محمد علی جناح سے تعلق" مندرجہ "مفاروق" کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ نظروں سے گزرا۔ مولانا اس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

"برصغیر پاک و ہند میں علماء کا کردار ہمیشہ روشن اور مثالی رہا ہے۔ ہماری تاریخ میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، مولانا محمد نانوتوی اور مولانا محمود حسن کے نام دعوت و عزیمت کی علامت ہیں۔ یہ سب برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہے۔" (انڈیا نارتھ ویسٹرن فرنٹیئر۔ ص۔ ۱۵۵) آگے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید انور شاہ کشمیری کے ساتھ علامہ اقبال کے تعلقات اور عقیدت و احترام کی مثالیں دی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ سید محمد انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ علامہ صاحب سے اور کسی عالم دیوبند کے تعلقات کی مثال نہیں دے سکے بعد ازیں جناح صاحب سے علماء دیوبند کے تعلقات اور عقیدت و احترام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جناح صاحب کے ساتھ علماء دیوبند کی رفاقت کا نتیجہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد جناح صاحب نے اپنی موجودگی میں مغربی پاکستان کے علاقہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی سے اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی سے پاکستانی پرچم لہرانے کی رسم ادا کرائی تھی۔ آگے چل کر علماء دیوبند کی جناح صاحب سے عقیدت کا لیٹمس ٹیسٹ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ۔

"ان میں سے اکثر نے جناح کے مزار پر حاضری دی تھی حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے جولائی ۱۹۵۱ء کو بھارت سے آکر اپنے سیاسی اختلافات کے باوجود جناح کے مزار پر ہاتھ اٹھا کر دعائے مغفرت کی تھی جبکہ اس کی مقابلے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالبرکات اور مولانا سردار احمد بریلوی اور جناب ولی خان اور جی۔ ایم۔ سید وغیرہ نے علامہ اقبال اور جناح صاحب کے مزار پر حاضری دینے کی زحمت نہیں اٹھائی تھی۔ بریلوی علماء نے جناح صاحب اور علامہ اقبال پر کفر کے فتوے لگائے ہیں"۔

مولانا مجاہد الحسینی نے "علماء دیوبند" کی ترکیب استعمال کر کے دارالعلوم دیوبند سے متعلقہ ان علماء کے تو حوالے دیئے ہیں جنہوں نے اسکی قیادت و سیادت کو خیرباد کہہ کر تحریک پاکستان میں مسلم لیگ اور قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا تھا مگر اس کے اس طبقہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا جنہوں نے اسے کانگریس کی بھینٹ چڑھا کر نہ صرف تحریک پاکستان کی ایمان کی حد تک مخالفت کی بلکہ دو قومی نظریہ کے بارے اپنے سابقہ مبنی بر حقیقت بیانات پر پردہ ڈھیر کر اس کی نہایت ڈھٹائی سے تکذیب و تکفیر پر فتوے صادر کئے۔

پاسباں مل گئے کعبے سے صنم خانے کو

مولانا مجاہد الحسینی نے اول الذکر علماء دیوبند (جمعیت العلماء اسلام) کے دامن میں موخر الذکر علماء دیوبند (جمعیت العلماء ہند) کو چھپا کر نہایت صفائی سے تحریک و قیام پاکستان میں معاونت کا کریڈٹ جملہ علماء دیوبند کو دینے کی کوشش کی ہے جو کہ انتہائی ناانصافی ہے۔

دراصل ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کے ساتھ وابستگی کے ذریعہ نیشنلسٹ علماء مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کی قوت فیصل بننا چاہتے تھے اور "امام الہند" و "شیخ الہند" کے خطابات حاصل کرنے کی لگن میں بدمست ہو کر سب کچھ کھو بیٹھے۔ مولانا

ظفر علی خان نے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی کے کردار کو یوں بیان کیا ہے

سب سے بڑھ کر ہے انہی کو دشمنی اسلام سے
آج ہے جن کا شمار اقطاب و ابدال میں

مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی پیشوا مولانا ابوالکلام آزاد نے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس، دہلی ستمبر ۱۹۲۳ء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور دہلی کے قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کرے کہ سوراج (حکمرانی) چوبیس گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو جائے تو میں سوراج سے دستبردار ہو جاؤنگا مگر اس سے دستبردار نہیں ہونگا کیونکہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہو گا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہو گا۔"

(ابو سلیمان شاہجہانپوری "مولانا آزاد ایک شخصیت ایک مطالعہ" ص۔۱۹۰)

کانگریس سے ایمان کا سودا کرنے کے بعد لاہور کی ایک نشست میں مولانا آزاد اور علامہ اقبال کے درمیان اسلامیان ہند کے سیاسی مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی کہ دوران گفتگو مولانا آزاد نے ایک جملہ کہا جو علامہ صاحب کی طبیعت پہ بے حد گراں گزرا۔ ایک عالم دین سے یہ سن کر علامہ لرز گئے۔ بقول سید نذیر نیازی مرحوم، علامہ نے بعد میں ان (نیازی) سے فرمایا کہ "میری طبیعت اتنی مشتعل ہو گئی کہ چاہا کہ اس "امام الہند" کو وہ سناؤں کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ اس نے یہ اذیت ناک الفاظ کہے تھے"۔

"ڈاکٹر صاحب، آپ کس اسلام کی بات کرتے ہیں؟ یہ ایک چلا ہوا کارتوس ہے")

(ماہنامہ "طلوع اسلام" لاہور ستمبر ۱۹۸۴ء ص۔۲۸)

دوسری جانب ہندو مذہب سے اس قدر مرعوب تھے کہ اسلام سے بھی زیادہ اسے توحید کے قریب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا۔

"ہندو مذہب کا پرانا دماغ اور نقشہ جو ہمارے سامنے آتا ہے اس میں بہت زیادہ وسعتیں تھیں اور جہاں تک میرا مطالعہ ہے دنیا کے تمام مذاہب میں نظریہ توحید کو جس مذہب نے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے وہ ہندو مذہب ہے۔ میرے پاس اسکے بہت سے تاریخی شواہد و نظائر موجود ہیں۔"

(ہفت روزہ "الہام"۔ساول پور، ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء ص۔۱۱ قائداعظم نمبر)

مولانا اکبر الہ آبادی نے سچ فرمایا۔

"یہ کانگریسی تلامیں تمہیں بتاؤں کیا ہیں؟ گاندھی جی کی پالیسی کا عربی ترجمہ"

"ایک قومی" نظریہ کو پروان چڑھانے کے لئے ایک تجویز یہ بھی پیش کی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ مذہب کا خاکہ تیار کیا جائے تاکہ روز روز کے یہ جھگڑے ختم ہو جائیں۔ مشہور و معروف قوم پرست لیڈر مولانا حسین احمد مدنی کے معتقد ڈاکٹر محمد اشرف نے جمعیت العلماء ہند کے آرگن اخبار "الجمعیت" میں تحریر فرمایا۔

"(ہم ہندوستان کے لئے نئے تمدن میں مصروف ہیں۔ ہماری سیاسی اور سماجی کوشش یہی ہے کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک مذہب بنا دیا جائے۔")

(رشید محمود راجہ "تحریک ہجرت" ۱۹۲۰ء مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص۔۳۶)

ملت اسلامیہ اور دین اسلام کی یوں درگت اڑانے والوں کو "امام الہند" اور "چراغ محمد" کے اعزازت بخشنے والے کچھ تو سوچیں۔

آگے چل کر مولانا مجاہد الحسینی علامہ اقبال سے علماء دیوبند کے تعلق کے بارے لکھتے ہیں۔

"انکے افکار و نظریات کی اشاعت کے سلسلہ میں سب سے بڑھ کر خدمات دیوبندی مکتب فکر سے متعلق شخصیات نے انجام دی ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے جس کلام پر اظہار معذرت کر کے آئندہ اپنی کتاب سے خارج کر دینے کا وعدہ کیا تھا وہ مولانا حسین احمد مدنی کی ذات پر تنقید ہے جسے دیوبند کے نام کے ساتھ بطور خاص اچھالا

جاتا ہے۔ جبکہ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریر میں جو کچھ فرمایا تھا وہ ہر گز یہ نہیں تھا۔ اس موضوع پر علامہ اقبال اور علامہ طالوت، ملتانی کی خط و کتابت شائع ہو چکی ہے جس کی بابت پروفیسر یوسف علی چشتی نے ان الفاظ کے ساتھ پس منظر واضح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی شب حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی نے صدر بازار، دہلی متصل پل بنگش ایک جلسے میں تقریر فرمائی جسکا بڑا حصہ جنوری کے "تیج" اور "انصاری" دہلی میں شائع ہوا۔ چھ روز بعد "الامان" اور "وحدت" دہلی نے اس تقریر کو قطع و برید کے بعد اپنے صفحات میں جگہ دی۔ ان پرچوں سے "زمیندار" اور "انقلاب" لاہور نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے حضرت اقدس کی طرف منسوب کر دیئے۔ کہ حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں ملتیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنالیں۔ جب یہ اطلاع علامہ اقبال کے کان میں پڑی تو انہوں نے حضرت اقدس سے استفسار یا تحقیق کئے بغیر ہی یہ تین اشعار سپرد قلم کر دیئے۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ -----

ان اشعار کی بنا پر ہندوستان کے علمی اور دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔۔۔ اس صورت حال کی سنگینی اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر حضرت علامہ طالوت، ملتانی نے مولانا سے رابطہ کر کے وضاحت کرائی جس میں انہوں نے فرمایا کہ "میں نے دوران تقریر "ملت" کا نہیں بلکہ "قوم" کا لفظ استعمال کیا تھا کہ دور حاضر میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں"۔ یہ وضاحت نامہ علامہ اقبال کی خدمت میں بصورت مکتوب ارسال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔۔

"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رہتا۔ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں، میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔"

مولانا مجاہد الحسینی نے پروفیسر یوسف علی چشتی کی درج بالا جو وضاحت پیش کی ہے وہ نہ صرف واقعتاً غلط ہے بلکہ اصولی طور پر بھی بھونڈی ہے۔ "ملت" اور "قوم" کے الفاظ قرآن مجید و احادیث نبوی میں ایک ہی معنی میں لئے گئے ہیں اگرچہ ملت کا تصور قوم کے تصور سے زیادہ وسیع ہے۔ دونوں کی اساس مذہب و عقاید ہیں نہ کہ وطن اور رنگ و نسل، حکیم الامت سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ ملت کی جگہ قوم کا لفظ لکھ دینے سے مطمئن ہو جاتے۔ انہوں نے خود اپنے کلام میں ملت اور قوم سے ایک ہی معنی لئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

بہر حال اس بارے مولانا مدنی کے اصل بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں تا کہ پوزیشن واضح ہو جائے۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔

"قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل اور مذہب سے نہیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والی سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی، پروٹسٹنٹ بھی، کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ، جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے۔"

(نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و اقبال۔ کتب خانہ صدیقیہ ڈیرہ غازی خان۔ ص۔ ۲۰۔ از طالوت، ملتانی)

اس بیان میں مسلمان قوم کو کہاں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے؟ پھر مذکورہ بالا وضاحت کے بعد کیا مولانا صاحب نے اس بارے خاموشی اختیار کر لی تھی؟ نہیں۔ بلکہ وطنی اور متحدہ قومیت کے حق میں فتووں اور دعوؤں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ پھر مولانا کے متوسلین علامہ صاحب کی درج بالا معذرت خواہی کو کیوں اتنی اہمیت دیتے نہیں تھکتے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب نیشنلسٹ علماء کی ذہنیت اور عزائم سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے۔ جبھی تو انہوں نے وطنی اور متحدہ قومیت کی دل کھول کر ٹپونی کی ہے۔

اسی بحث میں اس بارے ان کے ارشادات پڑھئے کہ کس طرح انہوں نے وطنی اور متحدہ قومیت کو ملت اسلام کی روح کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کے مبلغوں کی پکڑ کی ہے۔ اتنی گرمی انہوں نے بغیر کسی ریفرنس کے تو نہیں دکھائی تھی۔

علامہ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں۔

۱۔ عقدہ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود

۲۔ گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

مولانا حسین احمد مدنی اور ان کی جمعیت العلماء ہند نے ڈٹ کر قائداعظم، مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی مخالفت کی اور ان کی کج روی میں آخر دم تک سر مو فرق نہ آیا۔

مولانا حسین احمد مدنی کے متوسلین اور متعلقین شخصیت پرستی میں بریلویوں سے بھی کہیں آگے ہیں۔ دو قومی حقیقت اور قیام کی مخالفت میں پیش رووں کی سنت موکدہ پر ابھی تک قائم ہیں اور یہ حسرت دل میں لئے بیٹھے ہیں کہ پاکستان کیوں بن گیا کیونکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی (مولانا مدنی کے نزدیک)۔ مفتی محمود احمد نے ڈھاکہ فال ہونے کے بعد فرمایا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم اس گناہ (قیام پاکستان) میں شامل نہ تھے"

۱۹۹۴ء میں حرم نبوی میں بیٹھ کر مولانا فضل الرحمن نے یہ پر تھوی میزائل داغا۔

"جہاں تک پاکستان کی اساسیت (دو قومی نظریہ) کا سوال ہے تو یہ ایک بڑا فراڈ اعظم تھا جو کہ اسلام کے نام پر کھیلا گیا"۔

(حرم نبوی میں انجینئر عمار احمد ترین سے انٹرویو، حوالہ "بیدار ڈائجسٹ"، شمارہ جنوری ۱۹۹۴ء)

قاضی محمد زاہد الحسینی کی تصنیف (چراغ محمد) کی تقریب رونمائی بہ مقام "جامعہ مدنیہ" اٹک میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا اجمل قادری، لاہور نے مولانا مدنی کی ستائش و مدح میں ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا۔

"مولانا عبدالصمد دینپوری فرماتے ہیں،

یہ پاکستان جو تباہ ہو رہا ہے اس پاکستان کی تباہی کی ایک ہی وجہ ہے، ایک ہی وجہ ہے، ایک ہی وجہ ہے کہ اس کی بنیاد میں مولانا حسین احمد مدنی کی گستاخی اور بے ادبی شامل ہے" لوگوں نے عرض کی کہ حضرت، یہ ملک کیسے بچ سکتا ہے؟ تو حضرت مولانا دین پوری نے فرمایا،

مولانا نے ملک کے ہر طبقہ کا نام لے کر کہا کہ ان کے "چیدہ ترین اور نیک ترین افراد جمع ہو جائیں۔ یہ سارے کے سارے ننگے پاؤں چلتے ہوئے دیوبند جائیں۔ مولانا مدنی کی قبر پر کھڑے ہو جائیں۔ پوری قوم کے ہر طبقہ کی جانب سے جانے والے توبہ کریں اور اس گستاخی کی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں تو پھر پاکستان بچ سکتا ہے وگرنہ پاکستان کے مقدر کو برباد ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا"۔

(ہفت روزہ خدام الدین، شمارہ ۱۹، جلد ۲۹، ص ۱۵-۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۹۵ء)

مولانا مجاہد الحسینی نے "علماء دیوبند کے علامہ اقبال اور محمد علی جناح سے تعلقات" پر مشتمل زیر بحث مضمون میں بیسیوں جگہ "محمد علی جناح" اور "جناح صاحب" لکھا ہے مگر بھول کر بھی کہیں "قائداعظم" نہیں لکھا۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ ان کے نزدیک یہ خطاب مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی کو ملنا چاہیئے تھا جس کے لئے وہ خود بھی بے چین رہے۔ اپنے اکابرین کی شخصیت پرستی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ حفظ مراتب کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے۔ "امام الہدیٰ"، "چراغ محمد"، "حضرت اقدس" وغیرہ کہتے نہیں تھکتے۔ مولانا اجمل قادری نے جہاں درج بالا فتویٰ دیا وہاں اسی تقریر میں یہ بھی فرما گئے۔

۱۔ "تاریخ بتاتی ہے کہ جو شاگرد امام ابوحنیفہ کو ملے تھے (امام محمد

اور امام ابو یوسف) ان سے بڑھ کر شاگرد، ان جیسے شاگرد، ان اداؤں والے شاگرد، ان طریقوں والے شاگرد، ان اندازوں والے شاگرد، ان باتوں والے شاگرد، ان چیزوں کو آگے لے جانے والے شاگرد، ان ہتھیاروں سے لیس شاگرد حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کو ملے"۔

(ایضاً، ص ۱۴)

۲۔ "وہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی جن کی بے ادبی کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا تھا"۔

(ایضاً، ص ۱۵)

پاکستانی قوم نے مولانا حسین احمد مدنی کی شان اقدس میں کون سی بے ادبی کر ڈالی تھی کہ اس کا خمیازہ نسل در نسل ابھی تک بھگت رہی ہے؟ وہ گستاخی یہی تھی کہ انہوں نے مولانا کی حسرتوں کا خون کر کے اور ان کی "وطنی" اور "متحدہ قومیت" کا منہ چڑا کر خواہ مخواہ "پاکی۔ استان" (پاکستان) بنا ڈالا تھا ورنہ انکے ورثہ کے اپنے بقول تو مولانا نے اپنے دو تین گستاخوں (دیوبند کا ریلوے اسٹیشن ماسٹر وغیرہ) کو فراخدلی سے معاف بھی کر دیا تھا۔ اس گستاخی (قیام پاکستان) کی معافی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہونے کا وہ ہندوستان کو مزید ٹکڑے ہونے سے بچانے کی فکر کریں۔ اس کے ناگاؤں، سکھوں، مسلمانوں، خاص کر کشمیری مسلمانوں کو پھر سے "متحدہ قومیت" کی دھونی دیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور پاکستانی قوم کو بھی بغیر ویزا کے ننگے پاؤں چل کر مولانا حسین احمد مدنی کے مزار اقدس پہ توبہ و استغفار کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ ایک پنتھ دو کاج۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

بقیہ۔ دعوتِ افطار

تعمیری بات نظر آئے تو اسے قبول کیجئے، اختلافی امور سے صرف نظر کیجئے، اور اصلاح طلب امور کی نشاندہی کر دیجئے۔ ادارہ طلوع اسلام آپ کی تجاویز اور آرا، کو نہایت احترام اور شکریہ کے ساتھ قبول کرے گا بشرطیکہ ان کی سند قرآن کریم ہو۔ ہم حتی المقدور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور جس بات کی دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں پہلے خود اس پہ عمل کرتے ہیں۔ ہم اپنے صد ہزار اختلافات کے باوجود امت کے ساتھ ہیں کیونکہ وحدت امت ہمارا نصب العین ہے۔ قرآن کریم کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ جو اچھائی کرے گا اس کا صلہ اسی کو ملے گا اور جو برائی کرے گا اس کا خمیازہ بھی اسی کو بھگتنا ہو گا۔ اللہ کسی انسان پہ بھی ظلم نہیں کرتا (فصلت۔ آیہ ۴۶)۔ اس سے اعلیٰ و ارفع ایمان اور کیا ہو سکتا ہے ہم اس کے حضور سجدہ ریز ہیں کہ ہر انسان کو قرآن حکیم کی راہنمائی سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ زندگی کی سیدھی اور توازن بدوش راہ فقط یہی ہے۔

طلوع اسلام منکرِ حدیث ہے!

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ الزام تو آپ نے سُنا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن یہ حقیقت شاید آپ تک نہیں پہنچی ہوگی کہ:
○ احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔ ○ یہ کس طرح مرتب ہوئیں۔ ○ ہم تک کیسے پہنچیں۔
○ احادیث کے مجموعے جو ہمارے پاس ہیں، ان میں کیا کچھ ہے۔ ○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کہاں تک صحیح ہے۔ ○ انکارِ حدیث سے کیا مراد ہے
ان باتوں سے قرآن و اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ حوالے منکرِ حدیث بتاتے ہیں، وہ خود کس طرح منکرِ حدیث ہیں!

علم حدیث کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے جس کا تازہ ایڈیشن دو جلدوں کی بجائے ایک جلد میں

مقامِ حدیث

کے نام سے بڑے سائز میں شائع کیا گیا ہے!

اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیے، اس کے مطالعہ سے آپ بہت سی کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے!

ملنے کا پتہ: [illegible] 120 [illegible] منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

☆ ختم نبوت ☆

ایسا بنیادی عقیدہ ہے جس کے انکار سے اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ہمارے زمانے میں
پنجاب میں ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے ختم نبوت کے انکار اور مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت اور مسیحیت سے ایک نیا مذہب ایجاد کر دیا
ہمارے علماء حضرات سو برس تک "احمدیوں" سے مناظرے کرتے رہے لیکن اس تحریک کو ختم نہ کر سکے

پرویزؒ صاحب کی معرکہ آراء تصنیف

ختم نبوت اور تحریک "احمدیت"

نے اس باطل مذہب کی جڑ بنیاد تک کو اکھیڑ دیا

یہ کتاب "احمدیت" کے مسئلہ پر حرف آخر ہے

قیمت سٹوڈنٹ ایڈیشن۔ (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ) =/80 روپے
قیمت اعلیٰ ایڈیشن۔ (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ) =/160 روپے

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

●●●

and without any equivalent (112:1,2) and no one is like him (112:4). He neither sleeps, nor rests (2:255). God is infinite, in all His attributes. Therefore we can never truly understand the nature of God, the way we understand other physical phenomena. However God has other characteristics, commonly known as His names (Asma-al Husna) (20:8), which have special significance for mankind. These attributes define how God manifests in our world.

The Holy Quran tells us that the human beings have been bestowed with divine energy (32:9), which does not follow any physical laws for its development, although the human body is constantly going through a biological process and changes all the time. This divine energy bestows a unique personality on each human being; it stays individual as one indivisible unit, but it gets developed as an integral whole. Of all the creations of God, human beings are unique in that they have been given a personality which has the potential to develop similar characteristics to that of God (91:7-9). Characteristics of God's personality are perfect, fully developed and infinite, while human personality at birth is raw and undeveloped. For it to develop, it is important that it should have as an objective, a standard that at all time is an ideal. This objective standard incorporates all attributes of God. As a human being develops these attributes, he comes nearer to God. Once these Godly traits are developed, the human being becomes a Momin.

This has also been described in the Holy Quran, as adopting the colour of God (2/138). It is the ideal standard according to which human beings can judge whether their personalities have gone through the right development, or whether they still lack something. I should mention, however, that God has some unique attributes (like He is the First and He is the Last (57:3), or He is the one who started the process of creation in this world (39:46), etc. which no human being can achieve). Here I am talking about those other traits which are attainable by man. These include among others, having creative intuition, to have kindness, to be just, to be fair, to be pure, to be rational, to be patient, to provide for the needs of others, to nourish others, to be strong, to protect others, to be a planner, to use force (for the defense of the weak), to be soft where needed and to be tough when required. In short, to be peaceful within and to ensure peace all around.

This is where Ramadan has special significance. During this month we should concentrate and educate ourselves once again by reading and pondering over the whole Quran, so that we can understand these special concepts which God has given us. Fasting during the month, is an excellent exercise in self control as it consolidates our inner strength to fight temptations. We need it to live our lives according to the value system given by the Holy Quran.

Fasting : Guard Against Evil

Ubedur Rahman Arain

The month of Ramadan reminds us, that the Holy Quran was revealed to Prophet Mohammed (PBUH) for the first time during this Lunar month, around 600 AD. Thus this month has attained a significance which no other month has. Considering the universality of Islam, and the Holy Quran being its primary source, this month is important for not only Muslims but for all mankind. The Holy Quran guides mankind on all aspects of life including social, economical, cultural and self preservation issues. At every important conjecture, it tells us that if humanity would follow Quranic guidance, it will rediscover the paradise that was lost by man as a result of disobedience of God's direct instructions. It was through this message that the last and the final Messenger of Allah (God), Mohammed (PBUH), started to reform and transform a cruel disintegrated and ignorant society into a kind, united, and enlightened one. He was diligent in warning human beings of the dangers that were threatening them and saved them from the consequences of living a life of exploitation, injustice, and ignorance. The Holy Quran was practically implemented by him during his lifespan, and thus his life has become the best model and a guide for mankind for all time to come. That same message, in the form of the Holy Quran, is still with us along with his authentic Sunnah.

Ironically, Muslims who were directed by the Holy Quran to work towards solving the problems of humanity, are unable to solve their own problems. Brother is fighting against brother and nations that have developed their military might by depriving their citizens of basic needs, are targeting other brotherly nations in their neighbourhood for control and power. This gives the wrong signal to non-Muslim nations which, due to their excessive faith in secularism, already have apprehensions about Islam. The Muslim Umma today must prove to the rest of the world that it is at peace with itself, and that their motto is to bring peace in the world. They should, with firm conviction and determination and as has been instructed by the Holy Quran and our beloved Messenger of Allah Mohammed (PUBH), shower each other with love and show concern for all those who have limited means. We should discourage all forces which tend to deviate us from our ideals.

Islam is a way of life and does not merely consist of rituals. To lead this life, the Holy Quran offers its own concept of Allah and that of Messengers of Allah, Malaika, Divine Books, and The Day of Retribution. It asks us to follow these Quranic concepts when one relates to them. Therefore, one has to understand the Holy Quran and live accordingly. This is how Messenger of Allah, Mohammed (PUBH) and his worthy companions had established Deen (Islamic Way of Life) 1400 years ago.

The first and the foremost of these concepts is the concept of Allah in Islam. The famous philosopher Locke stated that if you told him what type of God a nation has envisaged for themselves, he could tell you what the moral values and social structure of that nation are. I want to highlight here some of the attributes of Allah which are stated in the Holy Quran. Firstly, one should understand that the human mind cannot truly understand the true personality of God (6:104). There is nothing like Him (42:11). He is neither begotten, nor does He beget (112:3). Consequently He does not have any gender identification. (I have used in this article the pronoun 'He' to refer to God as this is the common practice in the English language). However, He is unique

himself to utilise his many potentialities for the sake of others. This is a far-reaching responsibility, which according to Islamic theology is a vital purpose of our existence.

The Holy Quran leaves no doubt about its concern for the dignity of human beings. It encourages social service in terms of alleviating suffering, helping the needy and caring for the weak. Again, the aim is not simply showing mercy or doing a good deed because it is required of us to do so, but rather the integration of man's many virtues towards making himself a balanced personality and in turn helping to create a fair society. As explained (17:70), Allah honours mankind; has given it superiority over other creatures and has granted it special favours. On the other hand, all human beings are equal and everyone gets the rewards or otherwise for what he or she has done (3:195).

One of the more fundamental liberties, which man always strives for, is the right to free thought and expression. In proclaiming these liberties, however, the UN Declaration does state limits by recognising societal obligations, the rights of others and the concern for morality, public order and general welfare. These, of course, are not unreasonable restrictions. The Holy Quran also recognises the need for such social norms to be respected, but it remains singularly certain about the value it places on expression. In Soora Al-Rehman (55:4) the emphasis is clear. Man has been given intelligent speech; the powers to communicate; the capacity to comprehend and the ability to explain. And the parable (2:253) further amplifies this vital message by highlighting differences of opinion, and the right to differ.2/3

Clarity of expression and sanctity of thought are desirable virtues. The Holy Quran itself is devoid of ambiguity and reveals (12:1-2), that its verses are intended to make everything clear; that they are explicit and comprehensible, so that one may adopt them with reasoning. By this same token, the person most dangerous in society is the hypocrite or the 'munafiq', who expresses things quite differently from what he or she actually believes and whose actions are more likely to be tinged with ulterior selfish motives.

On a more social level and within the realms of a just society, expressing oneself and conversing call for certain etiquette to be respected. The Holy Quran asks that there be no dubiety in speech; that the language used be common and understandable; that conversation remains free from falsehoods and artificiality, and that the speaker's manner be reserved and restrained. These virtues are, of course, faultless !

Islam seeks to establish a society in which everyone can walk freely and have complete physical, mental and spiritual freedom. The only restrictions would be those placed by the Divine Laws. If human beings earnestly make the effort to endorse, practice and propagate the rights, guidance, wisdom and values bestowed upon them, then society would continue to evolve and benefit from the boundless munificence which Almighty Allah has placed at our disposal. Let us then, during this holy month of Ramadan, rededicate ourselves to reading about, understanding and practicing with more earnestness, the call for a fair and peaceful society which the Holy Quran guides us towards. The creation of a blissful and universal united nation may then become that much easier.

Universal Declaration of Human Rights

Aziz Mamuji

In December 1948, the United Nations General Assembly adopted the Universal Declaration of Human Rights, the 30 articles of which focused on respect for human rights and basic personal freedoms. The unanimous adoption of the resolution was preceded by considerable debate; and the final proclamation of an individual's personal, civil, political, economic, social and cultural rights was understandably hailed as an exceptional historical achievement which would have everlasting repercussions for mankind. Interestingly, it took the United Nations a further 28 years to ratify the declaration into two human rights covenants, both of which helped to formalise the need for universal respect for personal and social freedoms.

Yet, over 1400 years ago, mankind had witnessed a much more significant and, given the circumstances prevailing at that time, an extremely profound declaration of rights. The revelation of the Holy Quran, which for Muslims is the true and final word of God, bestowed and promoted personal and communal values which human society till then had not fully appreciated. This unique Book continues to guide and influence millions of faithful followers all over the world. It is an emphatic endorsement of human prerogatives, setting the basis for an equitable society in which both individual and communal rights are unequivocally guaranteed. But the Holy Quran is not simply a code of ethics or a series of directives which are to be taught and blindly obeyed. Its message is much more fundamental and its aims have a far deeper meaning, dealing essentially with a person's inner self. The values it propagates are absolute and timeless, and the principles therein are not relative to any particular circumstance.

Throughout the Holy Quran, however, the need to constantly reflect on the meaning, significance, relevance and practical application of its timeless message is repeatedly stressed.

The fundamental covenants of the United Nations Declaration are, in fact, clearly enshrined in the Holy Quran, which with philosophical and practical justification proclaims the rights to life, liberty, personal security, fair trial, individual privacy, education and social equality. And more importantly, it propounds the freedom of movement, thought, religion, opinion and expression.

The main doctrine of Islam is that the purpose of existence of man, as of all other creatures, is the submission to the inimitable laws of God. But whereas nature in general obeys God's laws instinctively, man alone possesses the choice to comply or to disobey. The consequences of man's action are judged by God, He being the creator and the real law maker in this universe. There is, however, no compulsion in Islam, and man is encouraged to reason, to seek, to question and to judge. This naturally generates a moral struggle, manifested by man's constant endeavor to comfort and satisfy his inner self, and then to look beyond

BOOK REVIEW

Islamic Pakistan : Illusions & Reality

by Abdus Satar Ghazali

On the occasion of the Golden Jubilee celebrations, a book, entitled " Islamic Pakistan Illusions & Reality " about Pakistan's 50 years political history has been launched on the Internet. The book, written by a Kuwait-based Pakistani journalist, Abdus Sattar Ghazali, contains ten chapters. The first chapter deals with Quaid-e-Azam Mohammed Ali Jinnah's vision of Pakistan in which author emphasizes that the founder of the nation envisioned Pakistan as a modern democratic state to be run strictly on the basis of merit and where all citizens, irrespective of their religion or caste or creed will be equal before the law.

In Chapter two the author discusses the role of Ulema in the struggled for Pakistan and points out that as the old generation is gradually vanishing from the political scene of the country, the Ulema, who opposed the creation of Pakistan, are now being projected as the co-founders of the country.

The third chapter - the first Islamic Republic- details the constitution making process and the palace intrigues of the two governor generals, Ghulam Mohammed and Iskandar Mirza. The First Martial Law and the Second Martial Law are the tittles of the fourth and fifth chapters that discuss the regimes of Field Marshal Ayub Khan and General Yahya Khan. In Chapter six, the author analyses the factors that led to the break-up of Pakistan and creation of Bangladesh.

Chapter six deals with the six and half year's rule of Zulifqar Ali Bhutto while the Third Martial Law is the title of chapter seven which details the eleven year rule of General Zia ul Haq. The ninth chapter is called the Rebirth of Democracy that deals with the restoration of democracy after the sudden death of General Zia in a plane crash in August 1988. This chapter discusses the major events and developments of Benazir Bhutto's both stints in office as well as Nawaz Sharif first stint in office and his first 100 days in office after the February 1997 polls.

Chapter ten, which is the largest one, is entitled " What is the true state of affairs?." In this chapter the author tries to points out the follies and blunders committed by the successive military and civilian governments that led to the current political chaos and virtual economic bankruptcy. The book ends with a Chronology of Pakistan from August 1947 to May 1997.

The author sets the tone of the book in the introduction where he says that two factors _ Islam and the army – have remained decisive throughout the chequered political history of Pakistan. The army has worked in collaboration with civilian bureaucracy and feudal aristocracy. The hierarchical system establishment in Pakistan, is based on two major well organized institutions of the establishment — the civil and the military bureaucracy - both of which are closely related and inter connected in their ideological and political properties. Their major social base is the feudal and the post-feudal landlord class. The intact feudal structure and religious institutions all worked in tandem for common interests in retaining the status quo and still pose a threat to any real social transformation. Although Pakistan's ruling elite is working within the framework of a democracy, the republican form of government had been republican in a very narrow and restricted sense. As the things are today it does not matter in the least for the majority of Pakistanis whether there is democracy in the country or dictatorship. For the masses, life was the same during General Zia's 11-year dictatorship as in Nawaz Sharif's democracy. The present system threatens to remain so for a millennium if a revolution does not overtake it.

Islamic Pakistan : Illusions & Reality, with 300 pages is the only book of its kind about Pakistan that is available on Internet. It is now published in Islamabad by the National Book Club.

Internet address:

www.peoplesoft.com/peopoepages/g/mohammad_ghazali/ghazali.htm

اطلاعات

1۔ بزم کویت کے تعاون سے مجلّہ طلوع اسلام کو نکھارنے' سنوارنے اور زیادہ سے زیادہ معلومات افزا بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ رسم الخط اور ڈیزائن میں بھی تھوڑی سی تبدیلی دکھائی دیگی۔ اس پرچے کو غور سے دیکھئے اور اپنی آراء سے ادارہ ہذا کو مطلع فرمایئے تاکہ آپ کی آراء کی روشنی میں اسے مزید بہتر بنایا جا سکے۔

قلمکار حضرات اپنے خیالات کو کم سے کم صفحات پر سمیٹنے کی کوشش فرمائیں تو مزید نوازش ہو گی۔

2۔ اخبارات میں پرویز صاحب کا نام پڑھ کر قارئین طلوع اسلام بعض اوقات بے حد مضطرب ہو جاتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کے خلاف لکھا جائے۔ ایسے تمام حضرات کے اضطراب قلب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے سامنے پرویز صاحب کی ذات سے زیادہ ان کی پیش کردہ قرآنی فکر ہے اس لئے ہم اپنے طور پر صرف ان تحریروں کا نوٹس لیتے ہیں جن میں قرآنی فکر کے خلاف کوئی بات کی گئی ہو۔ پرویز صاحب کے حوالہ سے اخبارات میں مباحث کا آغاز ہمارے نزدیک ایک اچھی علامت ہے جو بعض دوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ مجلّہ طلوع اسلام کی پیش کردہ قرآنی فکر کی ضیا باریوں کا نتیجہ ہے۔

3۔ بزم کویت کے تعاون سے ادارہ انٹرنیٹ کے ہمہ گیر مواصلاتی نظام سے منسلک ہو گیا ہے۔ ادارہ کا EMAIL نمبر

tolueislam@pol.com.pk

نوٹ فرمالیجئے :۔ آپ کے استفسارات' آرا' مضامین' خبروں اور خط و کتابت کے لئے ادارے کا مواصلاتی نظام چوبیس گھنٹے (ON) آن رہے گا۔ دفتری اوقات کے بعد ناظم ادارہ کے گھر کے فون (6541521) پر بھی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایئے۔

قرآن و سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں (5:48)۔ لہٰذا جو قانون قرآن کے مطابق ہو گا وہ از خود "کتاب و سنت" کے مطابق ہونے کی شرط پوری کرے گا اور جو قرآن کے خلاف ہو گا وہ سنت کے بھی خلاف ہو گا۔ ادارہ

Caesar and the Khusroes, along with high priests, symbolised by Haaman for all times. I wonder how many of us could or are challenging the unipolar power of today. Now, I am not suggesting that the intellectuals of Pakistan have no right to disagree with the Islamic ideology, but they certainly do not have the right to shift the image of the Qaid from the position he took. They should do their homework before they speak in public and write in the national press. The "Islamic religious political groups" opposed the Qaid's Muslim League not because it was secular, as Hamza Alavi would have us believe, but because it made it very clear that the State based on Quranic values uproots priest craft, feudalism and monarchical despotism. In other words, Pakistan was to be their deathknell. The Pharaohs, the Qaroons and the Haamans would have to make way for the people, their erstwhile victims. No wonder, the moment the Pakistan Movement triumphed, they hijacked it and as of yore, monopolised and distorted the Aubiya's Message. This is where the intellectuals have failed and lost the victory by default throughout the history of human kind. This is the tragedy of Man.

It is not surprising that having thrown the "Islamic ideology" into the lap of the Mullah, the Pakistan Movement has been demeaned by Hamza Alavi in his lecture as a middle class demand "to secure quotas of jobs in state employment". At this stage I can only quote from Khalid M. Ishaque's article mentioned above. He writes: "It was not the Arabs who carried Islam on their shoulders, it was Islam which introduced them to the rediscovery of the ethical dimensions of the universe, freedom of mind, and knowledge which provided light for meaningful action". I suppose we are not yet prepared for these dimensions. We still have to grow up. But this does not mean that we should indulge in intellectual dishonesty and falsify history. The great playwright, Bernard Shaw made a point when in his play "The Arms and the Man" in answer to the query "what will history say?" made Napoleon remark: "History will tell lies as usual".

In the end I would like to request Hamza Alavi to let us know the source of information about the April 1947 meeting when the plan for a united Bengal was mooted. I have partially made an effort to find it, but so far have not been successful. All that I know is that in the 1940 Lahore Resolution it was stated" ---------- the areas in which the Muslims are numerically in a majority as in the North-Western and Eastern Zones of India should be grouped to constitute "Independent States" in which the constituent units shall be autonomous and sovereign". However, in April 1946 in Dehli, the Resolution was amended at the behest of Suhrawardy "------- to constitute a sovereign independent State comprising Bengal and Assam in the North-East zone and the Punjab, the North western Frontier Province, Sindh and Baluchistan in the North-West zone". It was only after independence when Bengal, unfairly divided, was rocked by riots that Mr. Suhrawardy along with Mr. Gandhi walked together on foot to pacify the people under the slogan independent "United Bengal". this made Suhrawardy unpopular in Pakistan. When he did not succeed, he returned to East Bengal and entered its politics.

About the April 1947 meeting I am ignorant. Hamza Alavi may please help us by supplying the source of information.
(Note: This article was sent to the Editor DAWN in the form of a letter , which however they did not print).

PLESE MAKE SURE YOUR SUBSCRIPTION FOR THE YEAR 1998 IS DULY PAID AND YOUR PESONAL ACCOUNT IN THE OFFICE OF IDARA IS TIMELY REPLENISHED

FALSIFICATION OF HISTORY

BY

Ms Shamim Anwar

In the DAWN issue of Sunday December 28, it was a gratifying experience to read Khalid M. Ishaque's article in the magazine section, captioned "Time for Muslims to change direction". It was a mature and scholarly exercise. I wonder why the author has not entered the journalistic venture oftener (this is the first, if I recall correctly, in DAWN in the last one year) especially during the celebration of the Golden Jubilee of independence. In DAWN, among other papers, during this "celebration" the very existence of Pakistan has been questioned and the Qaid-e-Azam has been misinterpreted to suit the theories of the authors concerned. Even suggestions to confederate with India have been given and membership of SAARC considered as being a fore shadow of it. If only Khalid M. Ishaque had plunged into the fray, we would have amply benefited from it and the fog of confusion would have evaporated from our minds.

For instance, in the same issue of December 28, in the "City" section, Hamza Alavi's lecture at the Lahore Press Club arranged by Anjuman Barai Taleem Research Institute was reported, saying "Qaid believed in nationhood on territorial grounds". This thesis is put forward on the ground that the Qaid welcomed the Idea of a United Bengal in April 1947 at the behest of Suhrawardy and others. To say the least, I do not see any logic in this argument. The principle was of Muslim majority areas, be it in the NorthEast, NorthWest or any other area. They could be one state or more than one, it does not compromise the ideological principle. (It is interesting to note here that Canada and U.S.A. having a similar historical background, racial composition, language, the traditional Christian religion, and the similar capitalist ideology. they are separate independent states. What is more, the Arabian peninsular, with all the above-mentioned commonalties, is split into ten states! Why then is Pakistan targeted in season and out of season, is an enigma to me.) However intellectuals in Pakistan and outside Pakistan are allergic to the word "ideology" as if it was the devil's den. *Inko Saanp Soongh Jata hai*. They forget that any system, capitalist or communist or whatever, is based on philosophical abstract world-views and concepts on human existence. No system can be established and can survive without idealism, without a dream. Martin Luther King ------ remember he had a dream? Without it, life is aimless and barbaric. The funny thing is that while leftist ideologies are accepted and eulogised, any link of an ideology with Pakistan Movement is immediately rejected as poison, so much so, that copious quotes, clear and incisive, both before and after independence till his passing away, as from a lawyer of the Qaid's Stature, are ignored. When cornered with these quotes, it is said that the dead should not be allowed to rule over the living. Right! If the Qaid is dead, so are Karl Marx, Lenin, Mao and Ho Chi Minh. Does that prove anything? It is not the individuals who are eternalised, it is the idea that one projects. Any truth, spoken or written is never lost. Truth is not subject to time and space. And to implement the Truth or any idea, territory, people and a free government are a prerequisite. Territory is a means to an end, not an object to be worshipped. a "nation-state" thereby is a very primitive concept,. an extension of tribalism, a change in quantity not quality. Human beings as a human family, eventually belong to one homeland, the planet earth. This was Iqbal's and Jinnah's dream, and Pakistan was to be a means to that end.

But the tragedy is that intellectuals like Hamza Alavi confuse and identify the Quran with Mullahism and theocracy. I wonder if they realise that thereby they directly hit at Muhammad(PBUH) as a Mullah, or for that matter, any Nabi. However, history is a witness to the titanic struggle of Abraham, Moses, Jesus and Muhammad, and their challenge to powerful and barbaric monarchs as Nimrod, Pharaoh

عبداللہ ثانی (ایڈووکیٹ) دور رس نتائج کی حامل

گہری سازش

یا

لاعلمی

عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ

کھلا خط

جس کا جی چاہے اسے چھپوا کر زیادہ سے زیادہ تقسیم کرے

زندگی کی گہما گہمی اور کاروبار میں منہمک رہ کر نان شبینہ کے لئے دوڑ کے علاوہ بحیثیت مسلمان ہماری کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔ جن کے لئے ہم آپ کی توجہ کے طلبگار ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت مسلمہ گذشتہ تین چار صدیوں سے جذبات کے سمندر کی لہروں سے اٹھنے والے بھنوروں میں پھنسی ہوئی ہے۔ جس کا نتیجہ تفرقہ سازی اور فرقہ بندی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ مذہب کے نام پر شخصیت پرستی عام ہوچکی ہے۔

اس سلسلہ میں جذباتی ہونے اور نہ ہی ایسا کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت ہے جس سے مسلمانوں میں کوئی اختلاف یا انتشار پیدا ہو بلکہ انتہائی تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مستقبل کے ایک عظیم خلجان میں مبتلا ہونے سے قبل کوئی مثبت صورت نکالی جائے تاکہ آنے والے انتشار کو بروقت روکا جاسکے' کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

پچھلے کئی سالوں سے حجاج کرام میں لاکھوں کی تعداد میں وزارت حج و اوقاف سعودیہ کی طرف سے قرآن کریم کے نسخے مفت تقسیم کئے جارہے ہیں' اس کے علاوہ بھی بعض ادارے یہ کام کررہے ہیں۔ ظاہر ہے قرآن کریم کے یہ نسخے پورے کرہ ارض پر پھیلتے چلے جارہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مذہب کی نظر میں تو عظیم

ثواب کمایا جارہا ہے لیکن اس کے منفی اثرات مرتب ہونے میں ایک عشرے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اور ایک بار پھر امت مسلمہ زبردست خلجان میں مبتلا ہوجائیگی۔ اب یہ ذمہ داری وارثین قرآن کی ہے کہ ایسی سازشوں کا بروقت مداوا کریں کیونکہ ایسے سازشی ذہن موجود ہیں جو قرآن کریم کو اپنی اصلی حالت میں برداشت نہیں کرسکتے۔ اس لئے کہ ان تقسیم شدہ نسخوں میں ابتدا" تو بعض سورتوں کے نام تبدیل کردیئے گئے ہیں اور اب قرآن کریم کے نص (متن) کی کئی آیات میں قرآت (لہجے) کے نام پر تبدیلی کی گئی ہے مثلا" سورۃ بنی اسرائیل کا نام الاسراء' سورہ مومن کا غافر' سورہ حم السجدہ کا فصلت' سورہ الدھر کا الانسان' سورہ الم نشرح کا الشرح اور سورہ اللھب کا نام المسد رکھ دیا گیا ہے۔

اس کے لئے یہ جواز پیش کرنا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سراسر زیادتی ہے کیونکہ امت مسلمہ ایک بار جن ناموں پر متفق ہوچکی ہے' ان کی تبدیلی سے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے جو حد سے زیادہ تشویشناک امر ہے۔

اب قرآت (لہجہ) کے نام پر آیات میں بھی تبدیلی کی جارہی ہے۔ حالانکہ قرآت (لہجہ) کا اختلاف کرہ ارض پر موجود ہر زبان میں موجود ہے جو ہمیشہ سے رہا ہے۔ ایک ہی ملک میں بولے جانے والی زبان میں چند میلوں کے فاصلے پر نمایاں تبدیلی محسوس کی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں قرآت کو بنیاد بناکر متن میں کئی مقامات پر تبدیلی کی آخر کیا ضرورت تھی؟

قرآن کریم کے متن میں اختلافات پیدا کرنے کے لئے سازشیوں نے ایسی ایسی روایات گھڑی ہیں جن کا حقائق کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگرچہ قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے' وہی اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن یہ حفاظت بھی وہ اپنے بندوں سے ہی کراتا ہے۔

عالم اسلام میں اس وقت مذہب کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خود مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوچکے ہیں۔ مختلف ذرائع سے مسلمان کو آپس میں لڑا کر یہود و نصاریٰ کرہ ارض پر اپنی راہ ہموار کررہے ہیں جس کے نتیجے میں عیسائیت مسلمانوں میں تیزی سے سرائیت کررہی ہے۔

ماضی میں بھی قرآن کریم کے متن کو تبدیل کرنے کی کئی ناپاک جسارتیں ہوچکی ہیں۔ لیکن اس مرتبہ انتہائی سائنسی' ٹیکنیکی اور کم رفتار زہریلے انداز سے

کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے محدود وسائل ان حقائق کو آپ تک پہنچانے میں آڑے آرہے ہیں تاہم روز حشر جوابدہی کے لئے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے آپ تک یہ آواز پہنچانے کی کوشش کررہے ہیں۔

مملکت سعودیہ اگر خادم حرمین کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے پورا کررہی ہے تو خادم قرآن حکیم ہونے کی ذمہ داری بھی ان کے حصے میں آتی ہے۔ کہ مذہب کے ہر معاملے میں ہماری نظریں سوئے حرم لگی رہتی ہیں۔

برصغیر کے کروڑوں کی تعداد میں چھپے ہوئے قرآن کریم ہر گھر میں ہر روز پڑھے جاتے ہیں جن کی قرات اور سورتوں کے ناموں پر گذشتہ تقریباً" ڈیڑھ ہزار سال سے اتفاق پایا جاتا ہے اب جو **مصحف المدینة النبویة** کے نام سے قرآن کریم حجاج کرام میں تقسیم ہوکر ان گھروں تک پہنچ گئے ہیں۔ ان میں سینکڑوں کی تعداد میں غلطیاں موجود ہیں خاص طور پر جو پارے (جز) "**من مصحف المدینة النبویه**" کے نام پر تقسیم ہوئے ہیں ان میں غلطیوں کی تعداد بے شمار ہے۔ حقوق الطبع محفوظ ہونے کے باوجود وزارت حج والا وقاف سعودیہ کی طرف سے چھپے ہیں۔ آٹھ دس سال کے بعد ہر گھر میں متن کے اختلافات شروع ہوجائیں گے۔ اور پھر اس عظیم اختلاف کو کسی صورت میں اس لئے ختم نہیں کیا جاسکے گا کہ اس پر تصدیق کی چھاپ خود سعودی مملکت کی ہوگی۔ یہ بھی شنید ہے کہ ان کی چھپائی اپنی نفاست کو برقرار رکھنے کے لئے غیر مسلم ممالک میں کی گئی ہے۔

یہ بھی درست سمجھا جاتا ہے کہ بعض احادیث میں سورتوں کے نام مختلف دیئے گئے ہیں جبکہ قراتوں کی تعداد بھی سات بتائی جاتی ہے لیکن جب امت ایک بار ایک ہی قرات اور ایک نام پر متفق ہوگئی ہے تو اب ایسی کیا ضرورت پیش آئی ہے جس کی وجہ سے یہ تبدیلی کردی گئی ہے۔ اب ہم نہیں سمجھتے کہ ایسا لاعلمی کی وجہ سے کیا جارہا ہے یا اس کے پیچھے دور رس نتائج کے حامل ہاتھ کار فرما ہیں۔

یاد رکھیں! یہود و نصاریٰ کے نزدیک کسی بھی مشن کی تکمیل کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی، بلکہ مطلوبہ نتائج کا درست نکلنا اور ہدف کا حصول مقصود ہوتا ہے، چاہے اس پر صدیاں گزر جائیں۔

امت مسلمہ کے متفق علیہ قرآن کریم کا متن	مصحف المدینۃ النبویہ کا متن
اَلْقُرْاٰنُ الْكَرِيْمُ	القرآن الكريم
سورۃ فاتحہ آیت (۳) مٰلِكِ	مَلِكِ
" بقرہ " (۳) يُؤْمِنُوْنَ	يُومِنُونَ
" " (۳) يُنْفِقُوْنَ	يُنبِفُونَ
" " (۵) هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	هُمُ الْمُقْبِلِحُوْنَ

مثلاً جزو تبارک کے صفحہ ایک کا مقابلہ پیش خدمت ہے

آیت ۱: كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ الَّذِيْ	كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ الَّذِي
" ۳: خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ....	خَلَقَ سَبْعَ سَمَوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِي......
" ۴: خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝	خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝
" ۱۲: مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝	مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

اور اس طرح کی سینکڑوں غلطیاں۔ اسے سہو نہیں کہا جاسکتا۔

ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ حکومت اگر مناسب سمجھے تو سرکاری طور پر اعلان کرے کہ جن لوگوں کے پاس یہ نسخے موجود ہیں اسے فوراً اپنی تحویل میں لے لے تاکہ آنے والی نسلیں اس خلجان و خلفشار سے محفوظ رہ سکیں۔ نیز وزارت مذہبی امور ایسے نسخوں کو ملک کے اندر لانے کی اجازت اس وقت تک نہ دے جب تک قرآن کریم کے متن کی تصحیح کا سرٹیفکیٹ نہ دیدے۔ اس طرح ہم بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہوسکیں گے۔ ورنہ عذاب عظیم کو خود دعوت دیں گے کہ سابقہ امتوں نے یہی کچھ کیا اور عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں۔

DAMP - DECAY - MOISTURE ???

NO WORRY

WE PROTECT YOUR HOUSE

AGAINST
DAMP-DECAY-MOISTURE-LEAKGE
AND
MEND, FILL, SEAL AND REPAIR
THE CRACKS, FISSURES, RAIFTS, GAPS AND
EXPANSION JOINTS TO ASTM STANDARDS

PLEASE CALL US TO DEMONSTRATE
HOW WE DO IT

SAFTY SEALERS(Pvt) LTD

GALAXY SHOPPING CENTRE
115 FEROZEPUR ROAD
LAHORE
Phone 7573615 -417254

ALLAMA IQBAL ROAD
KARACHI

Phone 4557176

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL ® AND E-AZAM ®

R L NO.CPL-22
VOLUME : 51
ISSUE 03

Monthly
Tolu-e-Islam

AMBER®
CAPACITORS

The National Name For International Quality

Our range of products include:

- Motor Start-Run Capacitors
- Fluorescent Lamp Capacitors
- Power Factor Improvement Capacitors

AMBER—The most versatile range of single and three phase capacitors in world class quality—quality that combines Italian and Japanese technology—technology that takes the form of strict QC and performance testing at every stage of production. Manufactured to international standards and specifications.

AMBER® The national name for international quality
CAPACITORS

We also manufacture to your specifications.

AMBER CAPACITORS LIMITED

Climax House, 16-Link McLeod Road, P.O. Box 468, Lahore-Pakistan
Phone: +92 42 722 5865 & 722 6975 Fax: +92 42 723 2807 & 586 6617 Tlx: 44335 AMBER PK